سوط الجبار

علیٰ کلاب النار

از

حضرت علامہ ومولانا مفتی محمد مزمل برکاتی مصباحی

صدر مفتی دارالعلوم غوث اعظم، پوربندر (گجرات)

ناشر

المجمع الغوثی

دارالعلوم غوث اعظم، امام احمد رضا روڈ، پوربندر (گجرات)

نام کتاب : سوط الجبار علیٰ کلاب النار

مصنف : حضرت علامہ ومولانا مفتی محمد مزمل برکاتی مصباحی دامت فیوضہم

کمپوزنگ : ادارہ

پروف ریڈنگ : حضرت علامہ ومولانا تنویر رضا صاحب مصباحی

سن اشاعت : ۱۴۴۱ھ/۲۰۲۰ء، بارِ اوّل

تعداد : ۱۱۰۰

قیمت :

ناشر : المجمع الغوثی، دارالعلوم غوث اعظم، پور بندر (گجرات)

کتاب ملنے کا پتہ:

(۱) دارالعلوم غوث اعظم، پور بندر 0286-2246996

(۲) مکتبہ دارالمصطفیٰ، پور بندر 9687525990

(۳) قادریہ بک ڈپو، راجوری، کشمیر 9797526322

(۴) محمدی بک ڈپو، جامع مسجد، دہلی 9868937291

پیش لفظ

آج امت مسلمہ کے سامنے باطل قوتوں کی جانب سے بے شمار چیلنج اور ان گنت فتنے قائم ہیں۔ ان فتنوں کے دفاع اور چیلنجز کے جوابات کے لیے علماے اسلام وائمۂ دین اپنی اپنی فکری وعلمی صلاحیتوں کے مطابق میدانِ عمل میں سرگرم ہیں اور قوم کی صحیح رہ نمائی فرما کر نیابت نبوی کا حق الامکان حق ادا کر رہے ہیں۔

۲۰۱۹ء کے اوائل میں ایک استفتا مخدوم گرامی حضرت علامہ مفتی محمد مزمل صاحب برکاتی دامت برکاتہم العالیہ کے پاس آیا جس میں آٹھ سوالات قائم کیے گئے تھے اور یہ ایسے سوالات تھے جن کے ذریعے اسلام دشمن تحریکوں نے عام مسلمانوں کے ذہنوں میں وائرس پیدا کرنے کی خام کوشش کی اور سواد اعظم کو متنفر کرنا چاہا۔ لیکن مخدوم گرامی وقار نے ان سوالات کا ایسا دندان شکن جواب دیا کہ ان بدمذہبوں کے قلعہ میں زلزلہ برپا ہو گیا۔

ہماری جماعت کے طلبہ درجۂ عالمیت سے فارغ ہونے سے قبل ایک کتاب متلاشیانِ حق کے لیے اپنے قائم کردہ ادارہ ''المجمع الغوثی'' کے زیر اہتمام شائع کرنا چاہتے تھے لیکن کتاب کے انتخاب میں شش وپنج میں تھے۔ میں مخدوم گرامی وقار کے زیر نظر فتوے کا مطالعہ کر چکا تھا، سوچا کہ اسی حسامِ حق کو شائع کیا جائے۔ پھر میں نے اسے اپنے رفقاے درس کے سامنے پیش کیا اور اس کی اشاعت کی خواہش ظاہر کی۔ کتاب کی افادیت کے پیش نظر سب نے بیک وقت لبیک کہا اور بھرپور تعاون کرنے کا حوصلہ دیا۔ میں نے مخدوم گرامی کی بارگاہ میں اپنی اور اپنی جماعت کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت نے کچھ دیر سوچنے کے بعد پدرانہ انداز میں فتوے کا نسخہ عطا فرما کر ہماری دلجوئی فرمائی۔

اللہ تعالیٰ مخدوم گرامی وقار کا سایۂ ہمایوں ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے۔ آمین

اور میں سراپا سپاس ہوں عالم اسلام کے ان تین عظیم شہ سواروں کا جنھوں نے اس کتاب پر مہر تصدیق وتایید ثبت فرما کر اسے مزید وقیع بنایا۔

اور میں ممنون ہوں استاذ گرامی وقار حضرت علامہ ومولانا تنویر رضا مصباحی صاحب (نائب پرنسپل دار العلوم غوث اعظم) کا جنھوں نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ کی اور ہماری رہ نمائی فرمائی اور مفید مشورے عطا فرمائے۔

الحمد للہ عزوجل کہ دار العلوم غوث اعظم پور بندر (گجرات) کے درجۂ سادسہ کے طلبہ پیش نظر فتوے موسوم بہ ''سوط الجبار علیٰ کلاب النار'' کو ''المجمع الغوثی'' سے شائع کر کے اس انمول تحفے کو طالبانِ حق کے لیے پیش کرنے جا رہے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ اس تحریک کو دین دونی، رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

یہ نتیجہ ہے ہمارے مشفق اساتذہ کی بے لوث کاوشوں کا جن کی تعلیم وتربیت سے ہی آج ''المجمع الغوثی'' کی بنا رکھی گئی اور ان ہی کی کاوشوں سے ہم اس قابل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے میں ہمارے جملہ اساتذہ کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے اور ان کا فیضان ان کے تلامذہ پر ہمیشہ جاری رکھے۔

طالب دعا

عرفان محمود راجوری (کشمیر)

متعلم درجۂ سادسہ

دار العلوم غوث اعظم پور بندر، گجرات

۴/ جمادی الآخرۃ ۱۴۴۱ھ مطابق ۳۱/ دسمبر ۲۰۲۰ء

فہرست

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

شرف انتساب

اس گدائے بےنوا کے لیے آج زندگی کی سب سے سعادت مند گھڑی ہے کہ مجھے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ اور انبیاے کرام و محبوبانِ بارگاہ کی خدمت گزاری کا شرف حاصل ہوا ہے اور ان کے کفش برداروں و خانہ زادوں کی فہرست میں اس بے مایہ کا بھی نام آگیا جو یقیناً میرے لیے سامانِ بخشش و سرمایۂ نجات ہے۔

لہذا میں اس سوغات کو

باعث تخلیق کائنات، مالک ہر دوسرا، عالم کن فکاں، فخر رسولاں، حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ وتمام انبیاے عظام علیہم الصلاۃ والسلام

اور

بارگاہ الٰہی کے جملہ مقربین واولیاے کاملین ومقتدایان امت وپیشوایان شریعت

خصوصا

سراج الامۃ، کاشف الغمۃ، امام الائمۃ سیدنا امام اعظم ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالی عنہ

اور

قطب الاقطاب، فرد الافراد، غوث الاغواث، محبوب سبحانی، شہباز لامکانی، حضور غوث اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالی عنہ

کی

بارگاہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

تقریظ جلیل

تاج الفقہاء، نازش علم وفن، ماہر درسیات، خلیفۂ تاج الشریعہ

حضرت علامہ مفتی محمد اختر حسین قادری صاحب قبلہ دامت برکاتہم العالیۃ

استاذ ومفتی دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی ورکن شرعی کونسل آف انڈیا، بریلی شریف

وقاضیٔ شریعت ضلع سنت کبیر نگر، یوپی

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

اسلام دشمن تحریکات میں قادیانیت ووہابیت کے زہریلے جراثیم اور برے اثرات نے آج امت مسلمہ کے درمیان جس طرح کے حالات پیدا کر ڈالے ہیں، وہ سب پر عیاں ہے۔ لاتعداد مسلمان ان جراثیم سے متاثر ہوکر بدعقیدگی وبددینی اور الحاد وزندقہ کے مرض میں مبتلا ہوکر اپنے ایمان کو برباد کر چکے ہیں اور خوش عقیدگی کی نعمت بے بہا کو کھو کر شقاوت وبدبختی کو گلے کا طوق بنا کر گھوم رہے ہیں۔

ان تحریکوں اور طاغوتی طاقتوں کی جانب سے آئے دن کسی نہ کسی شکل میں فتنہ وفساد برپا ہوتا رہتا ہے اور ان کی بداعتقادی کا تعفن ماحول کو پراگندہ کرتا رہتا ہے۔ مگر خداے بزرگ وبرتر کا کرم بے پایاں ہے کہ علماے حق ان کے تمام امراض کا علاج کرنے کے لیے ہمہ دم تیار رہتے ہیں اور مسلمانوں کے قلوب واذہان کو باطل عقائد ونظریات کے جراثیم سے پاک وصاف رہنے کے لیے شفا بخش دوا پیش کر دیتے ہیں، علماے ربانیین کے ان زریں کارناموں سے تاریخ کا ورق ورق معطر اور مشک بار ہے۔ جزاھم اللّٰہ تعالیٰ عن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔

ابھی حال میں کسی تو ہب برست نے اپنے نجس ہیولی سے کچھ مہلک جراثیم نکال کر مسلمانوں کے دل ودماغ کو تعفن زدہ کرنے کی لاحاصل کوشش کی اور گلستان فکر ونظر کی شادابی کو بربادی کی نذر کرنا چاہا لیکن عزیز گرامی مرتبت فاضل محترم مفتی محمد مزمل حسین قادری برکاتی صاحب زِیدَ مجدُہ استاذ ومفتی دارالعلوم غوث اعظم پور بندر، گجرات نے اس کی سازش کا شیش محل اس طرح مسمار کیا کہ اس کے کھنڈرات تک نظر نہیں آتے اور اس کے اعتراضات وہفوات کا ایسا مسکت اور دندان شکن جواب تحریر کیا کہ باطل نظریات کے پرخچے اڑ گئے۔

عزیز گرامی نے ہر سوال کے جواب میں متعدد معتبر ومستند کتب دینیہ کے حوالہ جات پیش کر کے اہل حق کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کا بہترین سامان فراہم کر دیا ہے اور غلط افکار وخیالات کے تارو پود بکھیر کر رکھ دیے ہیں۔

محترم مفتی صاحب دارالعلوم غوث اعظم پور بندر کے لائق وذی استعداد استاذ اور فکر ونظر میں بالیدگی کے حامل، ایک صاحب کردار عالم ہیں۔ تعلیم وتعلم کے ساتھ تصنیف وتالیف کا عمدہ ذوق رکھتے ہیں۔ باطل کی دسیسہ کاریوں کی نقاب کشائی کے لیے آپ کا یہ اقدام قابل تبریک وتحسین ہے۔

اس رسالہ کو منظر عام پر لانے کے لیے دارالعلوم غوث اعظم میں زیر تعلیم درجۂ سادسہ کے طلبہ کی دل چسپی اور کاوش کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ انہی کی جد وجہد سے ادارۂ ہٰذا کی ایک متحرک تنظیم مسمی بہ ''المجمع الغوثی'' کے پلیٹ فارم سے یہ علمی کاوش آپ سب کے لیے باعث فرحت وسرور بن رہی ہے۔ میں ان طلبہ کو اس کار خیر کی ادائیگی پر مبارک بادی پیش کرتا ہوں اور مفتی صاحب زِیدَ مجدُہ کے لیے خصوصا بارگاہ مولیٰ تعالی میں دعا گو ہوں۔

رب تعالیٰ ان کی تمام دینی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور اخلاص و اہتمام کے ساتھ اسلام و سنیت اور مسلک اعلیٰ حضرت کی مزید خدمت کی سعادت ارزانی فرمائے۔ آمین

محمد اختر حسین قادری غفرلہ

خادم درس و افتا دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی

۱۹؍ ربیع الآخر ۱۴۴۱ھ

تصدیق جمیل

علمبر دار مسلک اعلیٰ حضرت، قاضیٔ گجرات، خلیفۂ تاج الشریعہ

حضرت علامہ سید سلیم احمد قادری صاحب قبلہ مدظلہ العالی

بانی وسر پرست دار العلوم انوار خواجہ وسنی بریلوی دار القضا، جامنگر

نحمده ونصلّی علیٰ رسوله الکریم

حضرت علامہ مفتی محمد مزمل صاحب قبلہ برکاتی کا ایک مبسوط و مدلل فتویٰ ناچیز نے دیکھا جس میں آٹھ سوالات کے قرآن وسنت اور اقوال ائمۂ کرام کی روشنی میں تفصیلی جواب دے کر اہل سنت کے مذہب مہذب کو واضح فرما کر اور نجدی عقائد باطلہ کے بطلان کو واضح فرما کر آپ نے حق ادا کر دیا ہے۔

اللہ تعالی کی بارگاہ میں دعا ہے کہ موصوف کے مذکورہ فتوے اور دیگر دینی خدمات کو قبول فرمائے اور موصوف کے علمی ودینی خدمات کا سلسلہ برابر جاری رہے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم۔

دعا گو

سید محمد سلیم احمد قادری

سنی بریلوی دار القضا، جامنگر، گجرات

۲۶ر نومبر ۲۰۱۹ء بروز منگل

تائید بے مثیل

مناظر اہل سنت، قاطع نجدیت، صاحب تصانیف کثیرہ

حضرت علامہ ومولانا عبدالستار ہمدانی صاحب قبلہ دامت فیوضہم العالیۃ

سربراہ اعلیٰ دارالعلوم غوث اعظم پور بندر، گجرات

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ۔ نحمدہ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

الحمدللہ! الحمدللہ! میرے روحانی فرزند اور میرے بھانجے یعنی حضرت مولانا محمد مزمل برکاتی جن کا بچپنا میرے سامنے گزرا، لیکن اب وہ ایک عالم جلیل اور ذی استعداد فاضل ومفتی کی حیثیت سے اپنی علمی وجاہت سے میرے لیے اتنے ذی احترام ہوگئے ہیں کہ انہیں میرے بھانجا ہونے کے باوجود مجھے بھی ادب واحترام سے ''مفتی صاحب'' کہہ کر ہی مخاطب کرنا پڑتا ہے۔ میں نے ان کی تازہ تصنیف ''سوط الجبار علیٰ کلاب النار'' کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، جناب مفتی مزمل صاحب نے اپنی مذکورہ کتاب کے تعلق سے بطور تقریظ وتصدیق چند کلمات ارقام کرنے کی مجھ ناچیز فقیر اور بے بضاعت سے فرمائش کی، لہذا اپنی بے مائیگی وبے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے چند جملے ارقام کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔

کتاب ''سوط الجبار علیٰ کلاب النار'' درحقیقت آٹھ سوالات پر مشتمل سوال نامہ کا جواب باصواب ہے، جواب لاجواب کے محاسن کے تعلق سے کچھ لکھنے سے قبل عرض کردوں کہ سائل نے ایک ایسا سوال نامہ مرتب کردیا ہے کہ فرقۂ باطلہ ضالہ وہابیہ، نجدیہ، دیوبندیہ، غیر مقلدیہ کے تمام ہذیان کا ماحصل مبین ہوگیا اور مجیب کو سوالات کے جوابات مرقوم کرنے میں اور فرقۂ ضالہ کے عقائد باطلہ کے رد وابطال میں سیر حاصل گفتگو کرنی پڑی، اور واقعی جناب مفتی مزمل صاحب نے اس کا پورا حق نبھایا ہے۔ مختصر اور متوسط جوابات کے بجائے ایسے مفصل اور مدلل

جوابات صفحۂ قرطاس پر وجود میں لائے ہیں کہ جن کی تعریف وتوصیف وتحسین ومدح وستائش کے لیے الفاظ مفقود ہیں۔

فاضل مصنف نے اس کتاب میں دلائل وشواہد و براہین محکم کا جو انبار لگا دیا ہے، اسے دیکھ کر کلک رضا کی جولانی کی جلوہ نمائی اور شان وشوکت کا احساس ہوتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی مزمل صاحب برکاتی نے (۱) شیخ نجدی (۲) نبی کی نوری بشریت (۳) استمداد از غیر اللہ (۴) وسیلہ (۵) تصرفات اولیا (۶) انبیاے کرام کا گناہوں سے معصوم ہونا (۷) اہل کلمہ کا جنتی ہونا اور (۸) تقلید ائمہ کے تعلق سے جو تحقیق وتدقیق فرمائی ہے، وہ ایسی مدلل ومعقول ہے کہ مخالفین اہل سنت و جماعت اسے کسی حال میں رد نہیں کر سکتے۔ فقیر سراپا تقصیر نے مذکورہ آٹھ عناوین میں سے اکثر کا تفصیلی بیان اپنی مختلف تصانیف میں کر دیا ہے۔ صرف تین تصانیف (۱) خیر بشر کی نوری بشریت (۲) مدد کی پکار اور (۳) مسلمانوں کو کافر کون کہتا ہے، کا مطالعہ کرنے سے مذکورہ آٹھ عناوین کا تفصیلی بیان اخذ کیا جا سکتا ہے۔

فاضل مجیب حضرت مفتی مزمل صاحب نے اس کتاب میں جو جواہر پارے بکھیرے ہیں، وہ قابل صد ستائش ہیں۔ فقیر اس کتاب کی بھرپور تائید کرتا وتوثیق کرتا ہے۔ مولیٰ تعالی اپنے حبیب اعظم واکرم کے طفیل حضرت مفتی صاحب کو اجر عظیم عطا فرمائے اور اس کتاب کو مقبول عوام وخواص فرمائے۔ آمین

فقط خیر اندیش

خانقاہ برکاتیہ ورضویہ کا ادنی سوالی

عبدالستار ہمدانی مصروفؔ نوری برکاتی

پور بندر، گجرات

مؤرخہ ۸؍ربیع الآخر ۱۴۴۱ھ مطابق ۶؍دسمبر ۲۰۱۹ء بروز جمعہ

ہدیۂ تشکر

نحمده ونصلّی ونسلم علیٰ حبیبه الکریم

راقم الحروف کے لیے یہ انتہائی خوش نصیبی کی بات ہے کہ راقم کی عرض داشت پر ہندوستان کی تین معروف وعبقری شخصیات نے زیرِ نظر فتوے کا بنظرِ عمیق مطالعہ کیا اور اس پر مہرِ تصدیق ثبت فرمائی اور تقریظ بھی ارقام فرمائی جو اس کے مندرجات کی صحت وتقویت کے لیے ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے۔

(۱) تاج الفقہاء، جامع معقولات ومنقولات، صاحب نظر ثاقب، وقار اہل سنت حضرت علامہ ومولانا مفتی اختر حسین علیمی صاحب قبلہ دامت برکاتہم القدسیۃ

(۲) سادات شاہیہ کے گل سرسبد، میدان خطابت کے عظیم شہسوار، ناشر مسلک اعلیٰ حضرت، قاضیٔ گجرات حضرت علامہ ومولانا سید سلیم باپو صاحب قبلہ دامت فیوضہم

(۳) صاحب تصانیف کثیرہ، محافظ مسلک اعلیٰ حضرت، مناظر اہل سنت، حضرت مولانا عبدالستار ہمدانی صاحب قبلہ مدظلہ۔

راقم الحروف مذکورہ تینوں جلیل القدر علماے دین کا تہ دل سے ممنون ومشکور ہے کہ اپنی گوناگوں مصروفیات وکثرت کار کے باوجود اس بے مایہ کے لیے اپنا قیمتی وقت عطا فرمایا اور اس بے مایہ کو اس کی حیثیت واقعی سے کہیں زیادہ اپنے حوصلہ افزا کلمات سے نوازا۔

پروردگار عالم ان کا سایہ اہل سنت پر تا دیر قائم فرمائے اور اہل سنت کو ان کے فیوض وبرکات سے مالا مال فرمائے۔

بڑی ناشکری ہوگی اس مقام پر اگر میں اپنے صدیق محترم، فاضل جلیل، حضرت علامہ ومولانا تنویر عالم صاحب قبلہ نائب پرنسپل دار العلوم غوث اعظم، پور بندر کا ذکر نہ کروں،

موصوف نے اپنی تعلیمی وتدریسی مصروفیات کے باوجود کتاب ہذا کی پروف ریڈنگ کی

فجزاه اللّٰه تعالیٰ عنی وعن سائرالمسلمین أحسن ما یجزیٰ عنده۔

علاوہ بریں ادارۂ ہذا کے درجۂ سادسہ کے طلبہ کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا جنہوں نے اس فتوے کی طباعت واشاعت کا بیڑا اٹھایا اور اپنی قائم کردہ تنظیم ''المجمع الغوثی'' کے ذریعہ اسے کتابی شکل میں منظر عام پر لانے کا منصوبہ بنایا اور کامیابی کے ساتھ اسے سر کیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام طلبہ کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے اور دین متین کی مزید خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

آخر میں مجھے اپنی بے بضاعتی کا مکمل اعتراف ہے۔ محض اللہ جل شانہ وعم نوالہ اور اس کے رسول مقبول ﷺ کے فضل وکرم پر اعتماد کرتے ہوئے اس وادی پر خار میں راقم نے قدم رکھا ہے، اس لیے اگر کسی صاحب علم کو اس کتاب میں کہیں کوئی سقم نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کر دی جائے۔

محمد مزمل برکاتی

۲۲/ربیع الآخر ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۰/دسمبر ۲۰۱۹ء

سوال نامہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین ان عقائد کے مسائل میں کہ جو عقیدہ اہل حدیث، دیوبندی، تبلیغی جماعت کا ہے، جاننا مطلوب یہ ہے کہ کس عقیدے کی بنیاد پر کفر لازم آئے گا اور کس عقیدے کی بنا پر گمراہ اور بدمذہب کہلائے گا؟

(۱) زید کا یہ کہنا اور ماننا ہے کہ ابن عبدالوہاب نجدی مجدد ہے اور اس کے کاموں کو سراہنا چاہیے، حدیث کے مطابق اس نے قبروں کو توڑا تھا، شیعہ لوگوں کے علما کو قتل کیا تھا، سُنی علما کو نہیں۔

(۲) نبی کو صرف بشر کہنا چاہیے، نور نہیں کہنا چاہیے۔

(۳) نبی کے پاس مانگنے سے کچھ نہیں ملتا، مانگنے سے مشرک ہو جائے گا۔

(۴) وسیلہ حرام ہے۔

(۵) تحت الفوق میں کسی کو دخل نہیں ہے یعنی روزی، اولاد صرف اللہ کے اختیار میں ہے، کسی نبی یا ولی کو اختیار نہیں ہے۔

(۶) زید کا یہ عقیدہ ہے کہ سورۂ فتح کی آیت میں نبی کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف ہو گئے۔

(۷) زید کا یہ کہنا ہے کہ لا الہ الا اللہ کہنے والا جنتی ہے، بس صرف شرک نہیں ہونا چاہیے۔

(۸) کسی امام کی تقلید جائز نہیں ہے جب کہ رسول کی تقلید کر رہے ہیں۔

قرآن اور حدیث کی روشنی میں جوابات عنایت فرما کر ممنون اور مشکور فرمائیں۔

دعا گو

حاجی محمد امین حاجی آدم

اجمالی حکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب:

(۱) ابن عبدالوہاب نجدی گمراہ شخص ہے جس پر بقول فقہاے کرام کفر لازم ہے، لہذا جو شخص ابن عبدالوہاب کو اپنا پیشوا اور دین کا مجدد مانتا ہے، وہ بھی گمراہ و بدمذہب ہے، پھر اگر یہ شخص اس نجدی کے اقوال وافعال کفریہ پر مطلع ہوکر اس کے کاموں کو سراہے اور دل سے مستحسن سمجھے تو اس پر بھی حکم کفر لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) نبی کریم ﷺ کو محض بشر کہنا اور آپ کے نور ہونے کا انکار کرنا گمراہی و بدمذہبی ہے اور بکثرت احادیث کے خلاف ہے۔ پھر اگر یہ انکار حضور ﷺ کی تحقیر و توہین کی نیت سے ہو اور آپ کی شان ارفع و اعلیٰ کے گھٹانے کے ارادے سے ہو تو البتہ ایسا شخص کافر و مرتد ہے کہ کسی نبی کی ادنی سی توہین باجماع امت کفر قطعی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) ایسا کہنے والے پر بقول فقہاے کرام کفر لازم ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عقیدہ دور حاضر میں وہابیوں، دیوبندیوں کا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) وسیلہ جو ہمارے اور بدمذہبوں کے درمیان مختلف فیہ ہے یعنی اللہ تعالی کے محبوبوں کو ان کے وصال کے بعد، یوں ہی ان کی ظاہری زندگی میں اللہ تعالی کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا، اس کا جواز بھی بکثرت احادیث کے مضمون سے ثابت ہے۔ یوں ہی اعیان امت نے اپنی کتابوں میں اس کے جواز کی تصریح فرمائی ہے، اسے حرام کہنا گمراہی و بدمذہبی ہے اور وہابیوں کا طریقہ ہے، جو اس کا منکر ہے وہ گمراہ و بدمذہب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) جو کسی نبی اور ولی کے لیے اللہ کی عطا سے بھی روزی دینے اور اولاد دینے کی قدرت نہ مانے، وہ گمراہ و بد مذہب ہے، پھر اگر اس نے یہ عقیدہ حضور ﷺ کی توہین کی نیت سے رکھا ہے تو بے شک اس نیت توہین کی وجہ سے وہ کافر ہو گیا اور آج کل ایسے ہی لوگ ایسا عقیدہ رکھتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۶) اگر چہ سورۂ فتح کی آیتِ ذنب کی تاویل میں مفسرین کے درمیان اختلاف رہا ہے مگر یہ طے شدہ امر ہے کہ آج کل وہابیہ، نجدیہ توہین رسول کی نیت سے ایسی بات کہتے پھرتے ہیں کہ حضور ﷺ معاذ اللہ گناہ گار تھے اور سورۂ فتح کی آیت میں آپ کے اگلے اور پچھلے گناہوں کی معافی سنادی گئی، لہذا اگر زید بھی وہابیوں کے دام فریب میں آکر عصمت انبیا کے اجماعی عقیدے کو پارہ پارہ کر رہا ہے اور توہین رسول کی نیت سے ایسی بات کہتا ہے تو بے شک وہ دین اسلام سے خارج ہو گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۷) جس نے یہ کہا کہ صرف لا الہ الا اللہ کہنے سے جنت مل جائے گی یعنی محمد رسول اللہ جو کلمۂ طیبہ کا دوسرا جز ہے، اس کو ماننے اور اقرار کرنے کی ضرورت نہیں، ایسا کہنے والا قطعاً اجماعاً کافر ہے۔ جب تک اللہ تعالی کی الوہیت کے ساتھ حضور ﷺ کی رسالت کی شہادت نہ دے تب تک وہ مومن ہو ہی نہیں سکتا، اور یہ مضمون قرآن مقدس کی بکثرت آیات سے صراحتاً ثابت ہے، لہذا جو اس کا انکار کرے وہ سرے سے مومن ہی نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۸) ائمۂ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید کرنا، امت کے درمیان اجماعی مسئلہ ہے۔ تبع تابعین کے دور سے ہی اس پر امت کا اجماع چلا آرہا ہے بلکہ یہاں تک فرمایا گیا

کہ ان کے مذاہب اربعہ سے جو قول خارج ہو اس پر فتوی دینا ناجائز ہے، بلکہ اگر قاضی بھی ایسے قول پر فیصلہ کرے تو نافذ العمل نہ ہوگا، لہذا اس کا انکار نہیں کرے گا مگر وہی شخص جو گمراہ و بدمذہب ہے جو آج کل منکرین تقلید کہلاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

تفصیلی جوابات

﴿محمد بن عبد الوہاب کون اور کیسا﴾

سوال:۱ زید کا یہ کہنا اور ماننا ہے کہ ابن عبد الوہاب نجدی مجدد ہے اور اس کے کاموں کو سراہنا چاہیے۔ حدیث کے مطابق اس نے قبروں کو توڑا تھا۔ شیعہ لوگوں کے علما کو قتل کیا تھا۔ سُنی علما کو نہیں۔

الجواب: محمد بن عبد الوہاب نجدی واقعی مجدد ہے مگر بدعتوں اور کفر و شرک کا مجدد ہے، قتل و غارت گری کا مجدد ہے، جس کے سیاہ کارناموں سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں، یہی وہ بدبخت اور سیاہ رو شخص ہے جس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے بہت پہلے خبر دی تھی اور اس کے فتنوں کی طرف اس حدیث میں اشارہ میں فرمایا تھا کہ

’’هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالفِتَنُ، وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ‘‘.

(بخاری شریف:۹/۵۴، حدیث نمبر:۷۰۹۴، کتاب الفتن)

یعنی کہ نجد سے زلزلے اور فتنے اٹھیں گے اور وہاں شیطان کا گروہ نکلے گا۔

اور خاتم المحققین حضرت علامہ سید ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اور اس کی جماعت کو خوارج میں شمار فرمایا۔

چناں چہ ردالمحتار کتاب الجہاد، باب البغاۃ میں زیر بیان خوارج فرمایا:

’’كما وقع فی زماننا فی أتباع عبد الوهاب الذين خرجوا من نجد وتغلبوا على الحرمين وكانوا ينتحلون مذهب الحنابلة، لكنهم اعتقدوا أنهم هم المسلمون وأن من خالف اعتقادهم

مشـركـون، واستبـاحـوا بذلك قتل أهل السنة وقتل علمائهم حتى كسـر الـلّـه تـعـالى شـوكتهـم وخـرب بـلادهم وظفر بهم عسـاكر المسلمين عام ثلاث وثلاثين ومائتين وألف" .

(ردالمحتار، جلد ششم، ص:۴۱۳)

یعنی خارجی ایسے ہوتے ہیں جیسا ہمارے زمانے میں پیروان عبدالوہاب سے واقع ہوا جنہوں نے نجد سے خروج کر کے حرمین محترم پر تغلب کیا اور وہ اپنے آپ کو کہتے تو حنبلی تھے، مگر ان کا عقیدہ یہ تھا کہ مسلمان بس وہی ہیں اور جو ان کے مذہب پر نہیں وہ سب مشرک ہیں، اس وجہ سے انہوں نے اہل سنت کا قتل اور ان کے علما کا شہید کرنا مباح ٹھہرالیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت توڑ دی اور ان کے شہر ویران کیے اور لشکر مسلمین کو ان پر فتح بخشی ۱۲۳۳ھ میں۔

یہی وہ سیاہ دل شخص ہے جس نے حضور ﷺ کے مزار مبارک کو ''صنم اکبر'' یعنی سب سے بڑا بت (معاذ اللہ) کہا۔

چناں چہ کشف الارتیاب میں ہے:

"اعتـقـادهـم (الـوهابية) فى النبى أن ضريحه صنم من الأصنام ووثن من الأوثان بل هو الصنم الأكبر والوثن الأعظم " .

(کشف الارتیاب فی اتباع محمد بن عبدالوہاب، ص:۱۲۷)

یعنی وہابیوں کا حضور کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ ان کا روضہ نہ صرف یہ کہ بت ہے بلکہ سب سے بڑا بت ہے۔

اس شخص کی گمراہیوں اور ضلالتوں کا اگر مزید حال جاننا ہے تو علامہ سید زینی دحلان قُدِّس سِرُّہ کی کتاب ''الدُرَرالسَنِیۃ'' کی طرف رجوع کریں، آپ نے اس کی بد اعمالیوں کو مفصلاً تحریر فرمایا ہے، یہاں اسی کتاب سے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

آپ فرماتے ہیں کہ

''شیخ سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ یہ گروہ وہابیہ اپنے پیروؤں کے سوا کسی کو موحد نہیں جانتے، محمد بن عبدالوہاب نے یہ نیا مذہب نکالا، اس کے بھائی شیخ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ جو اہل علم سے تھے، اس پر ہر قول وفعل میں سخت انکار فرماتے، ایک دن اس سے کہا کہ اسلام کے کتنے رکن ہیں؟ بولا پانچ، فرمایا: تو نے چھ کردیے، چھٹا یہ کہ جو تیری پیروی نہ کرے وہ مسلمان نہیں، یہ تیرے نزدیک اسلام کا چھٹا رکن ہے۔ اور ایک صاحب نے اس سے پوچھا: اللہ تعالیٰ رمضان شریف میں کتنے بندے ہر رات آزاد فرماتا ہے بولا: ایک لاکھ اور آخری شب میں اتنے کہ جس قدر سارے مہینے میں آزاد فرمائے تھے۔ ان صاحب نے کہا کہ تیرے پیروکار تو اس کے سوویں حصے کو بھی نہ پہنچے، وہ کون سے مسلمان ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ رمضان میں آزاد فرماتا ہے؟ تیرے نزدیک تو بس تو اور تیرے پیروکار ہی مسلمان ہیں، اس کے جواب میں کافر حیران ہو کر رہ گیا۔ اور ایک شخص نے اس سے کہا یہ دین جو تو لایا ــــ نبی ﷺ سے متصل ہے یا منفصل؟ بولا: خود میرے اساتذہ اور ان کے اساتذہ چھ سو برس تک سب مشرک تھے، اس شخص نے کہا تو تیرا دین منفصل ہوا، متصل تو نہ ہوا۔ پھر تو نے

کس سے سیکھا؟ بولا کہ مجھے خضر کی طرح الہامی وحی ہوئی۔ اور اس کی خباثتوں سے ایک یہ ہے کہ ایک نابینا متقی خوش آواز مؤذن کو منع کیا کہ منارہ پر اذان کے بعد صلاۃ نہ پڑھا کر، انہوں نے نہ مانا اور حضور اقدس ﷺ پر صلاۃ پڑھی، اس نے ان کے قتل کا حکم دے کر شہید کروا دیا پھر کہا کہ رنڈی کی چھوکری اس کے گھر ستار بجانے والی اتنی گناہ گار نہیں جتنا مینار پر اذان کے بعد بآواز بلند نبی ﷺ پر درود بھیجنے والا، اور اپنے پیروکاروں کو کتب فقہ دیکھنے سے منع کرتا، فقہ کی بہت سی کتابیں جلا دیں اور انھیں اجازت دی کہ ہر شخص اپنی سمجھ کے موافق قرآن کے معنی گھڑ لیا کرے یہاں تک کہ کمینہ سا کمینہ، گھٹیا سے گھٹیا آدمی بھی۔ تو ان میں سے ہر شخص ایسا ہی کرتا اگرچہ قرآن عظیم کی ایک آیت بھی نہ یاد ہوتی، جو محض ناخواندہ تھا وہ پڑھے ہوئے سے کہتا کہ تو مجھے پڑھ کر سنا، میں اس کی تفسیر بیان کروں، وہ پڑھتا اور یہ معنی گڑھتا۔ پھر انہیں تفسیر ہی کرنے کی اجازت نہ دی بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی حکم کیا کہ قرآن کے جو معنی تمہاری اپنی سمجھ میں آئیں، انہیں پر عمل کرو اور انہیں پر مقدمات میں حکم دو، اور انہیں کتابوں کے حکم اور اماموں کے ارشاد سے مقدم سمجھو۔ ائمہ اربعہ کے بہت سے اقوال کو ہیچ و پوچ بتاتا اور کبھی تقیہ کر جاتا اور کہتا کہ امام تو حق پر تھے مگر یہ علما جو ان کے مقلد تھے اور چاروں مذاہب میں کتابیں تصنیف کر گئے، یہ سب گمراہ تھے اور دوسروں کو گمراہ کر گئے، اور کبھی کہتا کہ شریعت تو ایک ہے، ان فقہا کو کیا ہوا کہ اس کے چار مذہب کر دیے، یہ قرآن و حدیث موجود ہیں، ہم تو ان ہی پر عمل کریں گے۔

مشرق میں اس کا مذہب جدید ۱۱۴۳ھ سے ظہور کیا اور یہ فتنہ عظیم فتنوں میں سے

ہوا۔ جب کوئی شخص خوشی خواہ جبراً وہابیوں کے مذہب میں آنا چاہتا، اس سے پہلے کلمہ پڑھواتے پھر کہتے خود اپنے اوپر گواہی دے کہ اب تک تو کافر تھا اور اپنے ماں باپ پر گواہی دے کہ کافر مرے اور اکابر ائمہ سلف سے ایک جماعت کا نام لے کر کہتے کہ ان پر گواہی دے کہ یہ سب کافر تھے، پھر اگر اس نے گواہیاں دے لیں جب تو مقبول ورنہ مقتول۔ اگر ذرا انکار کیا مروا ڈالتے اور صاف کہتے کہ چھ سو برس سے ساری امت کافر ہے، اول اس کی تصریح اسی ابن عبدالوہاب نے کی پھر سارے وہابی یہی کہنے لگے، وہ ائمہ کے مذاہب اور علما کے اقوال پر طعن کرتا اور براہ تقیہ جھوٹ فریب سے حنبلی ہونے کا ادعا رکھتا، حالاں کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے بری و بیزار ہیں۔ اور اس سے عجیب تر یہ کہ اس کے نائب جو ہر جاہل سے بدتر جاہل ہوتے انہیں لکھ بھیجتا کہ اپنی سمجھ کے موافق اجتہاد کرو اور ان کتابوں کی طرف منہ پھیر کر نہ دیکھو کہ ان میں حق و باطل سب کچھ ہے۔ اس کے ساتھی لامذہب تھے، اس کے کہنے کے مطابق مجتہد بنتے اور بظاہر جاہلوں کو دھوکا دینے کے لیے مذہب امام احمد کی ڈھال رکھتے۔ یہ چال ڈھال دیکھ کر مشرق و مغرب کے تمام مذاہب کے علمائے کرام اس کے رد پر کمر بستہ ہوئے۔ اس کی بری باتوں سے یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کے میلاد شریف پڑھنے اور اذان کے بعد میناروں پر حضور ﷺ پر درود بھیجنے اور نماز کے بعد دعا مانگنے کو ناجائز بتایا اور انبیا و اولیا سے توسل کرنے والوں کو صراحتاً کافر کہتا اور علم فقہ سے انکار رکھتا اور اسے بدعت کہا کرتا''۔ اھ۔ (ملتقطا)

یہی وہ حرماں نصیب ہے جس نے کہا کہ اگر روضۂ رسول اللہ پر قادر ہو جاؤں تو اسے

منہدم کردوں۔

چناں چہ علامہ احمد بن علی بصری ''فصل الخطاب فی ردضلالات ابن عبدالوہاب'' میں فرماتے ہیں:

''منها أنه صح أنه يقول: لو أقدر على حجرة الرسول صلی اللہ علیہ وسلم لهدمتها''.

﴿انہدام قبور والی روایت کا صحیح محمل اور اس کے دلائل﴾

زید بے قید کا یہ کہنا کہ اس نے حدیث کے مطابق قبروں کو توڑا ـــ بوجوہ باطل ہے

اولاً: اوپر کی سطروں میں گزرا کہ اس نے ایک مؤذن کو صرف اس لیے کہ اس نے اذان کے بعد درود بھیجا، شہید کروادیا، یہ کس حدیث کی بنا پر کیا؟ رنڈی کی چھوکری، ستار بجانے والی اس کے نزدیک بآواز بلند درود پاک پڑھنے والے سے بہتر ہے، یہ کس حدیث کی رو سے اس نے کہا؟ جاہل سے جاہل لوگوں کو ان کی سمجھ کے مطابق قرآن پاک کی تفسیر کرنے کی اس نے اجازت دے رکھی تھی، یہ کس حدیث سے ثابت؟ جب کہ حدیث پاک میں ہے:

''من قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار''.

(ترمذی: ۱۹۹/۵، حدیث نمبر: ۲۹۵۱)

یعنی جو اپنی من گڑھت رائے سے قرآن کی تفسیر کرے، اسے چاہیے کہ وہ جہنم کو اپنا ٹھکانہ بنائے۔

اسی طرح وہ چھ سو برس تک کے مسلمانوں کو کافر کہتا تھا، وہ حدیث کی کس کتاب

سے؟ حالاں کہ احادیث طیبہ کثیرہ بسند صحیح وارد ہیں کہ جو اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہے، وہ کلمہ خود اسی کہنے والے پر لوٹ جائے گا، دیکھیے مؤطا مالک، مسند احمد، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود اور ترمذی کو، اگر چہ شارحین حدیث اور ائمہ فقہ نے ان احادیث کی تشریح فرمائی مگر گروہ وہابیہ کو ظاہر حدیث پر عمل کرنے کا بڑا شوق ہے، اس لیے وہ اپنے پیشوا ابن عبدالوہاب کا ٹھکانہ ان احادیث کے ظاہر سے طے کر لیں کہ کیا ہے؟ــــ نیز روضۂ رسول کے انہدام کا پختہ ارادہ کرنا، اسے سب سے بڑا بت کہنا، انبیا واولیا سے توسل کو کفر وشرک کہنا، کتب فقہ جلا دینا، علم فقہ کا انکار کرنا، یہ سب ضلالتیں اس نے کن کن احادیث سے ثابت کیں ہیں؟ (نعوذ باللہ من ذلک)

ثانیا: وہ حدیث بھی سن لیجیے اور اس کا جواب بھی ہاتھوں ہاتھ لے لیجیے۔ مسلم شریف میں ہے کہ حضرت ابو ہیّاج اسدی کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت سید السادات مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسی مہم پر نہ بھیجوں جس پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے مامور کیا اور بھیجا تھا کہ کسی تصویر کو نہ چھوڑنا مگر یہ کہ اس کو محو کردو، اور کسی بھی اونچی قبر کو باقی نہ رکھنا مگر یہ کہ اسے ہموار کردو۔

حیث قال: "قال لی علي ألا أبعثك علىٰ ما بعثني عليه رسول الله ﷺ أن لا تدع تمثالا اِلّا طمسته، ولا قبرا مشرفا اِلّا سويته".

(مسلم شریف:۲/۶۶۶، حدیث نمبر:۹۶۹)

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ائمہ فقہ وحدیث فرماتے ہیں کہ یہ ان قبور کے بارے میں ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگ آپس میں ایک دوسرے پر بڑائی جتانے کے

لیے اور بلا فائدہ محض زیب وزینت کی نیت سے اپنے رشتہ داروں کی قبور کو اونچی اور عالی شان بناتے تھے اور شک نہیں کہ یہ فساد نیت کی وجہ سے ضرور ممنوع اور ناجائز ہے، علاوہ ازیں جب ایسا کرنے کوئی فائدہ نہیں تھا تو ضرور اضاعت مال ہوا جو قطعاً گناہ ہے۔

چناں چہ علامہ عینی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں:

"المراد من المشرفة المذكورة فيه هى المبنية التى يطلب بها المباهاة" . (عمدۃ القاری:۶/۳۹، زیر حدیث: ۱۳۹)

یعنی حدیث میں اونچی قبور سے مراد وہ قبریں ہیں جن کی تعمیر سے ایک دوسرے پر بڑائی جتانا مقصود ہو۔

عارضۃ الاحوذی میں ہے:

"أما حديث أبى هياج فيقتضى هدم المشرفة المعينة التى يطلب بها المباهاة " . (عارضۃ الاحوذی:۲/۴۱۶، حدیث نمبر:۱۰۵۱)

یعنی ابو ہیاج کی حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ ان خاص اونچی قبروں کو منہدم کر دیا جائے جن سے باہمی تفاخر اور شیخی مقصود ہو۔

مرقاۃ المفاتیح میں فتح القدیر سے ہے:

"هو محمول على ما كانوا يفعلون من تعلية القبور بالبناء الحسن العالى" . (مرقاۃ:۴/۱۷۷، حدیث نمبر:۱۶۹۶، فتح القدیر:۲/۱۴۹)

یعنی یہ حکم ان قبور کے بارے میں ہے جن پر لوگ زمانۂ جاہلیت میں خوشنما اور عالی

شان عمارت بلا فائدہ محض زینت کی نیت سے بنایا کرتے تھے۔

اور بعینہ انہی الفاظ سے علامہ عینی نے شرح سنن ابی داود میں علامہ ابن جوزی کی کتاب ''التحقیق'' کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔

(شرح سنن ابی داود:۶/۱۷۴،حدیث:۱۶۵۲)

اور علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ذهب الجمهور الى أن الارتفاع المأمور بازالته هو الارتفاع الكثير الذى كانت الجاهلية تفعله، فانها كانت تعلىٰ عليها وتبنىٰ فوقها تفخيما لها وتعظيما" .اھ. ملتقطا

(المفہم:۲/۶۲۶،حدیث:۸۳۴)

یعنی جس بلندی کو توڑنے کا حکم ارشاد ہوا، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس سے مراد وہ طول فاحش ہے جس طرح زمانۂ جاہلیت کے لوگ کیا کرتے تھے کیوں کہ وہ لوگ قبروں پر بلا فائدہ بلند وبالا عمارت محض ان کی بڑائی اور شیخی جتانے کی غرض سے بنایا کرتے تھے۔

اسی میں ہے:

"وجه النهي عن البناء والتجصيص فى القبور أن ذلك مباهاة واستعمال زينة الدنيا فى أول منازل الآخرة وتشبه بمن كان يعظم القبور ويعبدها" .اھ. ملتقطا (المفہم:۲/۶۲۷)

یعنی قبور کو پختہ کرنے اور ان پر روضہ تعمیر کرنے سے ممانعت اس وجہ سے ہے کہ وہ

آپسی تفاخر، آخرت کی اولین منزل میں دنیوی زینت کے بے موقع استعمال نیز ان لوگوں سے تشبہ ہے جو قبروں کی تعظیم بروجہ عبادت کرتے تھے۔

پس جب کہ حدیث مذکور کا مطلب ائمہ دین کی تشریحات کی روشنی میں واضح ہوگیا تو اس حدیث کو صحابۂ کرام، تابعین و تبع تابعین اور اولیاے کاملین کے مزارات طیبہ پر منطبق کرنا کیسے درست ہوگا؟ کیوں کہ ان کے مزارات فیض رسانی کا سرچشمہ ہیں اور عوام جب تک تزک ظاہری نہیں دیکھتی، ان کے دل خشوع وخضوع سے اور صاحب مزار کے ادب سے دور ونفور رہتے ہیں، ولہذا ان کے مزارات بنائے جاتے ہیں تا کہ لوگ ان کی بارگاہ میں ادب کے ساتھ حاضری دیں، خشوع وخضوع کے ساتھ وہاں بیٹھ کر قرآن خوانی کریں، اپنی من مانتی مرادیں پائیں، صاحب مزار کے فیض سے مالا مال ہوں۔ علاوہ بریں مزارات دور حاضر میں مساجد کی طرح شوکت اسلامی کا ذریعہ بھی ہیں۔ پس جب نیت محمود وصالح اور مقصد ایک وجہ وجیہہ رکھتا ہے تو قطعا یہ جائز ہوا اور حدیث پاک کا حکم ان بزرگانِ دین کے مزارات پر صادق نہیں آیا۔

مرقاۃ میں ہے:

”وقال التوربشتی: البناء علی القبر بالحجارة وما یجری مجراها وأن یضرب علیها خباء ونحوه، وکلا هما منهي لعدم الفائدة فیه. ملتقطا. قلت: فیستفاد منه أنه إذا کانت الخیمة لفائدة مثل أن یقعد القراء تحتها فلا تکون منهیة. انتهی ما قال القاری ثم قال التوربشتی: لأنه من صنیع أهل الجاهلیة، وقال

بعض الشراح من علمائنا: ولإضاعة المال. وقد أباح السلف البناء على قبر المشايخ والعلماء والمشهورين ليزورهم الناس، ويستريحوا بالجلوس فيه" .ملتقطا. (مرقاۃ:۴/۱۷۷)

یعنی علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ قبر پر پتھر، اینٹ وغیرہ سے روضہ بنانا یا کوئی خیمہ، سائبان وغیرہ لگانا ممنوع ہے اس لیے کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔(ملا علی قاری فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ جب خیمہ لگانا کسی غرض سے ہومثلاً یہ کہ قارئین اس کے سایہ میں بیٹھیں تو ممنوع نہیں ہے۔ پھر آگے علامہ تورپشتی فرماتے ہیں: یہ اس لیے بھی ممنوع ہے کہ دور جاہلیت کے افعال سے ہے اور بقول بعض شارحین اس میں تضییع مال بھی ہے۔ البتہ! اسلاف کرام نے مشہور ومعروف علما ومشائخ کے مزارات پر روضہ بنانے کی اجازت دی ہے تاکہ لوگ ان کے مزارات کی زیارت کریں اور وہاں بیٹھ کر قلبی راحت پائیں۔

مجمع بحارالانوار میں ہے:

"البناء عليه بالحجارة وما يجرى مجراها أو يضرب عليه بخباء ونحوه، وكله منهي لعدم الفائدة. وقد أباح السلف أن يبنىٰ على قبور المشائخ والعلماء المشاهير ليزورهم الناس ويستريحون بالجلوس فيه. (مجمع بحارالانوار:۳/۲۱۰)

یعنی قبر پر عمارت بنانا خواہ پتھروں سے یا کسی چیز سے جو پتھروں کی جگہ استعمال کی جائے، اسی طرح قبر پر خیمہ وغیرہ لگانا، سب بلاوجہ ممنوع ہیں البتہ! اسلاف نے نامور

علما و مشائخ کی قبور پر اس غرض سے کہ لوگ ان کی زیارت کے لیے آئیں اور وہاں بیٹھ کر راحت و سکون پائیں، عمارت بنانے کی رخصت دی ہے۔

مطالب المؤمنین میں ہے:

''مباح کردہ اند سلف بنا را بر قبر مشائخ و علمائے مشہور تا مردم زیارت کنند و استراحت نمایند بجلوس در آں، ولیکن اگر برائے زینت کنند حرام است۔ و در مدینۂ مطہرہ بنائے قبہا بر قبور اصحاب در زماں پیشیں کردہ اند، ظاہر آنست کہ آں بتجویز آں وقت باشد، و بر مرقد منور آں حضرت ﷺ نیز قبۂ عالی ست''۔

(کشف الغطاء، ص:۵۵، باب دفن المیت)

یعنی اسلاف نے معروف علما و مشائخ کے مزارات کے ارد گرد روضہ تعمیر کرنا مباح رکھا ہے تاکہ لوگ زیارت کریں اور انھیں وہاں طمانینت میسر ہو۔ ہاں! اگر زینت کے لیے ایسا کریں تو حرام ہے اور مدینہ طیبہ میں صحابۂ کرام کے مزارات پر قبوں کی تعمیر زمانۂ سلف ہی میں ہوئی ہے اور ظاہر یہی ہے کہ یہ اس وقت سب کی اجازت سے ہوا ہے اور حضور ﷺ کی قبر انور پر بھی عالی شان گنبد ہے۔

درمختار کے متن تنویر الابصار میں ہے:

"لا یجصص ولا یطین ولا یرفع علیه بناء، وقیل: لا بأس به وهو المختار". (درمختار ورد المحتار:۱۴/۳)

یعنی نہ قبر پر گچ کاری کی جائے نہ گارے کا لیپ کیا جائے نہ اس پر عمارت اٹھائی جائے، اور ایک قول یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی ہمارا مذہب مختار ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

" قوله: (لا يرفع عليه بناء) أي يحرم للزينة، ويكره للاحكام بعد الدفن، وقيل: لا يكره البناء اذا كان الميت من المشائخ والعلماء والسادات" .اھ. ملتقطا (حوالۂ سابق)

یعنی قبر پر عمارت اٹھانا اگر زینت کے لیے ہو تو حرام ہے اور میت کی تدفین کے بعد محض استحکام کے لیے ہو تو مکروہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ جب میت مشائخ، علما وسادات سے ہو تو روضہ بنانے میں کوئی حرج نہیں۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

" لا يجصص ولا يطين ولا يرفع عليه بناء وقيل لا بأس به، هو المختار .اھ. (حاشیہ طحطاوی، ص: ٦١١)

یعنی قبر پر نہ چونے کا پلاستر کیا جائے نہ گارے کا ضماد نہ اس پر بلند عمارت تعمیر کی جائے اور بعض نے کہا کہ اس میں چنداں حرج نہیں اور یہی مذہب ہمارے نزدیک مختار ہے۔

پس ثابت ہوا کہ ابن عبدالوہاب کا اصحاب رسول اللہ ﷺ وتابعین وتبع تابعین کے مزارات منہدم کرنا حدیث پاک کے مطابق نہیں ہے بلکہ یہ کالا کرتوت اس کی ہوائے نفسانی کے مطابق ہے، کیوں کہ اس کے گمان باطل میں انبیاے کرام واولیاے عظام سے ان کے وصال کے بعد توسل کرنا صریح کفر وشرک ہے اور ان بزرگوں کے مزارات معاذ اللہ اس کے گمان میں بت ہیں جیسا کہ ''کشف الشبہات'' میں اس کی

تصریح کی ہے، بس اپنے اس ناپاک عقیدے کی تکمیل کے لیے ہی اس نے اور اس کے گروہ نے یہ ظلم وستم کیا اور اسلام کی بنیادوں کو تخت وتاراج کر دیا۔

اس مسئلے کی تحقیق کامل کے لیے حضرت صدرالافاضل علیہ الرحمۃ کے رسالہ ''اَسواط العذاب علیٰ قوامع القباب'' کی طرف مراجعت کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

﴿حضور ﷺ کے نور الٰہی ہونے کا ثبوت﴾

سوال:۲ نبی کو صرف بشر کہنا چاہیے، نور نہیں کہنا چاہیے۔

الجواب: یہ بھی وہابیوں؛ نجدیوں کی عادت ہے کہ جن چیزوں سے حضور ﷺ کی فضیلت وعظمت ورفعت ظاہر ہو، ایسی چیزوں کے کہنے اور لکھنے سے احتراز کیا جائے، ان پر شرک وحرمت کے فتوے دیے جائیں اور عوام کو نام نہاد توحید کی آڑ میں حضور ﷺ کی محبت اور عظمت سے محروم رکھا جائے۔ مگر انہیں معلوم نہیں کہ اس سے ان کے دلوں میں جو بغض وکینہ چھپا ہوا ہے، وہ خود بخود کھل گیا اور ظاہر ہو گیا کہ ان کے سینوں میں رسول اللہ ﷺ کی کتنی عظمت اور کتنا وقار ہے۔

اب آیئے اصل مسئلہ کی طرف چلتے ہیں، بے شک رسول اللہ ﷺ نوری بشر ہیں، یہی اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے یعنی کہ حضور کی حقیقت نور ہے بلکہ نورٌ علیٰ نور ہے جس پر آپ کو بشریت کا لباس پہنایا گیا ہے تاکہ حضور اپنی حقیقت کو لباس بشریت میں چھپا سکیں اور صفت نوری کے ذریعہ رب سے فیضان حاصل کریں اور صفت بشری کے ذریعہ مخلوق کو رب کا فیضان تقسیم کریں۔

چناں چہ حافظ الحدیث عبدالرزاق بن ہمام اپنی مصنف میں حضرت جابر بن عبداللہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

" قلت: یا رسول اللّٰہ بأبی أنت وأمی! أخبرنی عن أول شيء خلقه اللّٰه تعالیٰ قبل الأشياء. قال: يا جابر! انّ اللّٰه تعالیٰ قد خلق قبل الأشياء نور نبيك من نوره" . (الی آخر الحديث)

یعنی حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ﷺ میرے ماں باپ حضور پر قربان ہوں، مجھے بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا؟ تو حضور نے فرمایا کہ اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام چیزوں سے پہلے اپنے نور سے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا۔

اور مصنف ہی کے حوالے سے اس حدیث نوری کو امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں، امام قسطلانی نے المواہب اللدنیۃ میں، امام ابن حجر مکی نے افضل القریٰ میں، علامہ فاسی نے مطالع المسرات میں، علامہ زرقانی نے شرح المواہب میں اور شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں بھی ذکر کیا ہے۔

پس جب حضور ﷺ نے اپنا نور ہونا اور نور الٰہی سے ہونا ظاہر فرمایا تو بے شک حضور نوری بشر ہوئے اور اسی لیے اہل سنت حضور ﷺ کو بشر اور نور دونوں کہتے ہیں۔ اور بشریت بھی ایسی کہ آپ سید البشر، افضل البشر بلکہ آپ کی بشریت فرشتوں کی ارواح سے بھی افضل۔

اور حکیم ترمذی ذکوان سے راوی:

انّ رسول اللّٰہ ﷺ لم يكن يُرىٰ له ظل فی شمس ولا قمر" .

یعنی رسول اللہ ﷺ کا سایہ دکھائی نہیں دیتا تھا دھوپ میں نہ چاندنی میں۔

ابن سبع اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"من خصائصه ﷺ أن ظله كان لا يقع على الأرض وأنّه كان نورا، فكان اذا يمشى فى الشمس أو القمر لا ينظر له ظل. قال بعضهم: ويشهد له حديث قوله ﷺ فى دعائه: واجعلنى نورا". (الخصائص الکبری:۱/ ۶۸)

یعنی حضور کے خواص میں سے ہے کہ حضور کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا کیوں کہ حضور نور تھے، لہذا جب حضور دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نظر نہ آتا اور بعض لوگوں نے کہا کہ اس کی شاہد وہ حدیث جس میں ہے کہ حضور اپنی دعا میں عرض کرتے کہ اے اللہ! مجھے نور بنادے۔

اور اس حدیث کو امام قسطلانی نے ''المواہب اللدنیۃ'' میں، امام قاضی عیاض نے ''شفا'' میں اور امام خفاجی نے شرح شفا مسمی بہ نسیم الریاض میں بھی بیان کیا ہے، بلکہ امام خفاجی نے شرح شفا میں تو یہاں تک کہہ دیا کہ

"كونه بشرا لا ينافيه كما توهم، فان فهمتَ فهو نور على نور".
(نسیم الریاض:۳/ ۲۸۲)

یعنی حضور کا بشر ہونا، آپ کے نور ہونے کے منافی نہیں جیسا کہ کچھ لوگوں کو وہم گزرا، پس اگر تو سمجھے تو وہ نور علی نور ہیں۔

اور مفسرین نے آیت کریمہ "قَدۡ جَاءَكُم مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِين"

(پ ۶ سورۂ مائدہ، آیت: ۱۵) میں نور سے حضور ﷺ کی ذات کو مراد لیا ہے۔ دیکھیے جلالین، تفسیر کبیر، صاوی، خازن، طبری وغیرہ کو۔

پس اہل سنت و جماعت کا نور مصطفیٰ کا عقیدہ، قرآن وحدیث سے ثابت ہوا۔ اس کے برخلاف وہابیوں اور نجدیوں کے پاس اپنی ہوائے نفسانی کی تکمیل کے لیے ہوائے نفس کے سوا کوئی دلیل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

﴿استمداد اور وسیلے کے جواز کے دلائل﴾

سوال: ۳۰ نبی کے پاس مانگنے سے کچھ نہیں ملتا، مانگنے سے مشرک ہو جائے گا۔

سوال: ۴۰ وسیلہ حرام ہے۔

الجواب (۳۰، ۴۰): اہل سنت و جماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا وآخرت کے تمام خزانے اور ان کی کنجیاں حضور ﷺ کے دست پاک میں کر دیں، لہذا جس کو جو کچھ ملا اور قیامت تک جو کچھ ملے گا، وہ حضور ہی کے صدقے میں اور حضور ہی کے در سے ملا اور ملے گا۔

چناں چہ حدیث پاک میں ہے: "انما أنا قاسم والله يعطي".

(بخاری شریف: ۱/۲۵، حدیث نمبر: ۷۱)

یعنی کہ بے شک میں تقسیم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔

اور حضرت ربیعہ بن کعب فرماتے ہیں کہ میں حضور کے پاس رات گزارتا تھا اور آپ کے لیے وضو کا پانی اور ضروریات کی اشیا لاتا تھا، ایک بار حضور نے مجھ سے فرمایا: "سل، فقلت: أسألك مرافقتك فی الجنة، قال: أو غير ذلك؟ قلت:

هو ذاك، قال: فأعنِّي على نفسك بكثرة السجود"۔

(مسلم شریف:۱/۳۵۳،حدیث: ۴۸۹)

یعنی مانگ ربیعہ کیا مانگتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں حضور سے جنت میں حضور کی ہمراہی مانگتا ہوں۔حضور نے فرمایا کہ اس کے علاوہ بھی کچھ تمنا؟ میں نے عرض کیا کہ بس یہی آرزو ہے۔تو سرکار نے فرمایا کہ پھر اپنے اوپر کثرت نوافل کے ذریعہ میری مدد کر۔

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ربیعہ نے حضور سے جنت اوراس میں بھی سب سے اعلیٰ مقام جنت الفردوس جہاں انبیاے کرام رہیں گے،اس کا پڑوس اور ہمراہی مانگی اور حضور نے بھی یہ نہ فرمایا کہ تم غیر خدا سے مانگ کر اور وہ بھی اتنی بڑی چیز مانگ کر مشرک ہوگئے۔نہیں بلکہ فرمایا کہ وہ مقبول ہے اور منظور ہے ہی، کچھ اور بھی مانگنا چاہو تو مانگ لو۔ یہاں پر ایک نکتہ اور بھی ہے کہ مانگا اسی سے جاتا ہے جو مالک ہو،لہذا اس حدیث سے حضرت ربیعہ کا یہ عقیدہ بھی ظاہر ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مالک جنت ہیں۔

چناں چہ حضرت علامہ علی قاری اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

"ويؤخذ من إطلاقه عليه السلام الأمر بالسؤال أن الله تعالى مكَّنه من إعطاء كل ما أراد من خزائن الحق، ومن ثَمَّ عدَّ أئمتنا من خصائصه عليه السلام أنّه يخص من شاء بما شاء، كجعله شهادة خزيمة بن ثابت بشهادتين، وكترخيصه فى النياحة لأم عطية فى آل فلان خاصة. قال النووى: للشارع أن يخص من العموم ما شاء،

وبالتضحية بالعناق لأبی بردة بن نيار وغيره. وذكر ابن سبع أن اللّٰه تعالی أقطعه أرض الجنة يعطی منها ما شاء لمن يشاء". ملتقطا
(مرقاۃ:۲/۶۱۴،حدیث:۸۹۶)

یعنی حضور ﷺ نے بلا کسی چیز کی تخصیص کے جو مطلقا فرمایا "مانگو" اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے حسب منشا حق کے تمام خزانوں کے دینے پر قدرت عطا فرمادی جیسے کہ حضرت خزیمہ کی گواہی کو دو گواہیوں کے برابر ٹھہرانا، حضرت ام عطیہ کے لیے آل فلاں پر نوحہ کرنے کی رخصت دینا، حضرت ابو بردہ کے لیے بکری کے ایک سالہ عمر سے کم بچے کی قربانی کی اجازت دینا وغیرہ۔ امام نووی نے فرمایا کہ شارع کو اختیار ہے کہ جس طرح چاہیں حکم عام کی تخصیص فرمائیں۔ اور ابن سبع نے ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت حضور کو جاگیر میں عطا فرمادی ہے کہ اس میں سے جو چاہیں جسے چاہیں عطا فرمادیں۔

اسی طرح انبیا و اولیا خصوصا سید الانبیا علیہ الصلاۃ والسلام کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بنانا، ان کی سفارش چاہنا، بوقت مصیبت ان سے استغاثہ وفریاد کرنا، یونہی اپنی جمیع حاجات کے لیے ان کی پناہ لینا سلفاً وخلفاً صحابہ، تابعین، تبع تابعین واخیار امت بلکہ خود انبیاے کرام علیہم السلام کا معمول رہا ہے، اسے حرام کہنا شریعت پر افترا و بہتان ہے جو وہابیوں کا خاص شعار ہے۔

چناں چہ امام طبرانی نے معجم کبیر اور اوسط میں اور ابن حبان اور حاکم نے بسند صحیح حضرت انس بن مالک سے روایت کیا، واللفظ للطبرانی:

حضرت سید السادات مولائے کائنات کی والدہ حضرت فاطمہ کا وصال ہو گیا جنہوں نے حضور ﷺ کی تربیت اور پرورش فرمائی تھی تو سرکار خود ان کی قبر میں تشریف لے گئے اور دعا کی کہ میری والدہ فاطمہ کی مغفرت فرما اور ان کی قبر کو ان پر کشادہ فرما، میرے اور مجھ سے پہلے انبیائے کرام کے اس حق کے واسطے جو تو نے اپنی کمال رحمت سے اپنے ذمۂ کرم پر لے لیا ہے۔ (معجم کبیر ۱۰/ ۳۳۷، حدیث: ۲۰۳۲۴، معجم اوسط: ۱/ ٦۸، حدیث: ۱۸۹)

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ خود حضور ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت اسد کے لیے بارگاہ الٰہی میں اپنی ذات کریمہ کو اور سابق انبیائے کرام کو وسیلہ بنایا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ بعد وصال اللہ کے نیک بندوں کا وسیلہ لینا خود حضور سید دو عالم ﷺ کی سنت کریمہ ہے۔

اور امام طبرانی معجم صغیر اور کبیر میں، امام ترمذی اپنی سنن میں، امام نسائی سنن نسائی اور عمل الیوم واللیلۃ میں، امام بیہقی دلائل النبوۃ میں، حاکم مستدرک میں اور ابن ماجہ اپنی سنن میں حضرت عثمان بن حُنَیف سے راوی، واللفظ للطبرانی:

ایک شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کسی ضرورت کے لیے آتا تھا مگر آپ اس کی طرف توجہ نہیں فرماتے تھے، ایک دن اس نے حضرت عثمان بن حنیف سے ملاقات کی اور اس بات کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا کہ جاؤ، جا کر وضو کرو اور پھر مسجد میں آ کر دو رکعت نماز ادا کرو پھر یہ دعا کرنا:

"اللّٰھم إنی أسألك و أتوجه إلیك بنبینا محمد ﷺ نبی الرحمة،

يا محمد! إني أتوجه بك إلى ربك جل وعز، فتقضي لي حاجتي، وتذكر حاجتك".

یعنی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف ہمارے نبی محمد ﷺ کے وسیلے سے متوجہ ہوتا ہوں جو نبی رحمت ہیں۔ اے محمد! (ﷺ) بے شک میں آپ کے وسیلے سے آپ کے رب عز وجل کی طرف توجہ کرتا ہوں تو میری حاجت روائی فرمائیے۔

اور پھر تو اپنی حاجت کو ذکر کرنا اور شام کے وقت میرے پاس آنا۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا پھر خلیفۂ وقت کے پاس آیا اور دروازہ پر دستک دی تو دربان آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عثمان غنی کے پاس لے گیا، آپ نے اسے اپنے ساتھ چٹائی پر بٹھایا اور اس سے اس کی ضرورت معلوم کی تو اس نے اپنی ضرورت بتائی جسے حضرت عثمان غنی نے فوراً پورا کر دیا پھر فرمایا کہ اور بھی کوئی ضرورت ہو تو ہمارے پاس آنا پھر وہ شخص وہاں سے سیدھے حضرت عثمان بن حنیف کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، جب تک آپ نے حضرت عثمان غنی سے میری سفارش نہ کی وہ میری طرف توجہ نہ کرتے تھے۔ حضرت عثمان بن حنیف نے فرمایا کہ بخدا میں نے تمہارے متعلق ان سے کوئی گفتگو نہیں کی ہے۔ ہاں! میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، ایک نابینا شخص آئے اور انہوں نے حضور سے اپنی نابینائی کی شکایت کی، حضور نے فرمایا: تم صبر کرو، انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے کوئی لانے اور لے جانے والا نہیں اور اب مجھ پر سخت گراں گزرتا ہے تو حضور ﷺ نے اسے وہی

ترکیب اور دعا تعلیم فرمائی (پھر حضرت ابن حنیف نے سابق دعا ذکر کی) اس کے بعد فرمایا کہ ہم ابھی وہاں سے جدا نہیں ہوئے تھے اور زیادہ دیر نہ ہوئی تھی کہ وہ شخص ہمارے پاس اس حالت میں آیا گویا کبھی اسے نابینائی تھی ہی نہیں۔

(معجم صغیر: ص ۳٦٦، حدیث: ۵۰۸، معجم کبیر: ۴/ ۴۱۵، حدیث: ۸۲۳۱، مستدرک: ۱/ ۷۰۷، حدیث ۱۹۰۳، معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم: ۴/ ۱۹۵۹، حدیث: ۴۹۲۸، دلائل النبوۃ: ٦/ ۱٦۷، ابن ماجہ: ۱/ ۴۴۱، حدیث: ۱۳۸۵، ترمذی: ۵/ ۵٦۹، حدیث: ۳۵۷۸، سنن کبری: ۳/ ۴۴۸، حدیث: ۳۵۲٦، عمل الیوم واللیلۃ: ۱/ ۴۱۷، حدیث: ٦۵۹)

اسی طرح دلائل النبوۃ اور مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت مالک الدار سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق کے دور خلافت میں قحط پڑا تو ایک شخص (حضرت بلال بن حارث صحابیٔ رسول) حضور کی قبر انور پر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ! اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمائیں، وہ بھوکوں مر رہے ہیں تو رسول اللہ ﷺ ان صاحب کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا کہ عمر کو میرا سلام کہنا اور بتانا کہ بارش ضرور ہوگی اور یہ بھی کہنا کہ تدبیر اور انتظامات رعایا کے لیے کرتے رہنا، اس میں کوتاہی نہ کرنا۔

(دلائل النبوۃ: ۷/ ۴۷، مصنف ابن ابی شیبۃ: ۱۷/ ٦۳، حدیث: ۳۲٦٦۵)

ان دونوں احادیث سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہوگیا کہ جس طرح صحابۂ کرام حضور کی حیات ظاہری میں آپ کی بارگاہ میں استغاثہ اور فریاد کرتے تھے،

اسی طرح حضور کے وصال کے بعد بھی آپ کو حاجت روا اور مشکل کشا جانتے تھے اور بارگاہ الٰہی میں آپ کو وسیلہ بناتے تھے۔

اور حاکم مستدرک میں حضرت حذیفہ ابن الیمان سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک شخص کو آیت کریمہ "یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوا إِلَیْہِ الْوَسِیْلَةَ" (پ٦، سورۂ مائدہ، آیت: ٣٥) پڑھتے ہوئے سنا یعنی کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ تو آپ نے وسیلہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ وسیلہ سے مراد قرب ہے پھر فرمایا:

"لقد علم المحفوظون من أصحاب محمد ﷺ أن ابن أم عبد من أقربهم إلى اللّٰه وسيلة".

(المستدرک علی الصحیحین: ٢/٣٤١، حدیث: ٣٢١٦)

یعنی نبی کریم ﷺ کے صحابہ جو سرداران امت اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے قول وعمل میں تحریف اور فساد سے محفوظ رکھا، انہیں خوب معلوم ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ان میں وسیلے کے لحاظ سے خدا کے نزدیک انتہائی مقرب ہیں۔

امام ابن الجوزی فرماتے ہیں:

"المحفوظون يعني رؤوس القوم الذين حفظهم اللّٰه من تحريف أو تخريف في قول وفعل".

(کشف المشکل من حدیث الصحیحین: ١/٣٨٨)

یعنی وہ سرداران امت جنہیں اللہ تعالیٰ نے اقوال وافعال میں تحریف اور فساد سے

محفوظ رکھا۔

حضرت حذیفہ کے ارشاد سے پتہ چلا کہ اللہ کے نیک بندوں کا وسیلہ لینا، قرآنی آیات پر عین عمل کرنا ہے اور اسے اعمال صالحہ کے ساتھ خاص کرنا غلط ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ خدا کے انتہائی مقرب وسیلہ ہیں اور آیت کریمہ "وابتغوا الیه الوسیلة" میں آپ داخل اور شامل ہیں تو سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے کتنے مقرب وسیلہ ہوں گے اور ان کا وسیلہ خدا کی بارگاہ میں کس قدر مقبول ہوگا اور آپ کی ذات اقدس بدرجۂ اتم واولیٰ اس حکم وسیلہ میں داخل ہوگی۔

مگر تعجب ہے وہابیہ پر جو احادیث اور تفاسیر سے صرف نظر کر کے انبیا واولیا سے توسل کو حرام کہتے ہیں۔

تفصیل کے لیے امام سبکی کی ''شفاء السقام'' اور علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی کی ''شواہد الحق'' اور امام ابن حجر مکی کی ''الجوہر المنظم'' اور علامہ سید زینی دحلان مکی کی ''الدرر السنیۃ'' (قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم) کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

﴿انبیا واولیا کے تصرفات واختیارات کا بیان﴾

سوال: ۵ تحت الفوق میں کسی کو دخل نہیں ہے یعنی روزی، اولاد صرف اللہ کے اختیار میں ہے، کسی نبی یا ولی کو اختیار نہیں ہے۔

الجواب: بے شک امور تکوینیہ وامور تشریعیہ سب کا حقیقی اختیار اللہ رب العزت ہی کے دست قدرت میں ہے۔ جو کوئی کسی کے لیے بے اس کی عطا کے کسی چیز کا ذرہ بھر

اختیار مانے وہ کافر ومشرک ہے، مگر اسی کے ساتھ ساتھ اہل سنت و جماعت کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں کو بہت سارے تصرفات واختیارات عطا کیے ہیں جن میں سب سے زیادہ، سب سے اکمل، سب سے اول اور سب سے عظیم اختیارات سید الانبیاء ﷺ کو عطا کیے ہیں، حد یہ کہ اس کی ذات کریم نے حضور کو سلطانِ دوعالم کردیا اور زمین وآسمان کی ساری کنجیاں حضور کے دست تصرف میں کردیں اور یہ مضمون کئی آیات واحادیث سے ثابت ہے، سابقہ جواب میں حضرت ربیعہ اسلمی کا جاں فزا سوال اور حضور کا ارشاد اور اس کے تحت حضرت علامہ علی قاری کی تشریح گزر چکی۔ نیز صحیح بخاری شریف کی حدیث "انما أنا قاسم" بھی گزر چکی ــــ مزید کچھ احادیث سطور ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔

بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرۃ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"أتيت بمفاتيح خزائن الأرض".

(بخاری:۵۴/۴، حدیث:۲۹۷۷، مسلم:۳۷۱/۱، حدیث:۵۲۳)

یعنی مجھے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔

اور معجم کبیر اور مسند حنبل میں بسند صحیح حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور نے فرمایا:

"أوتيت مفاتيح كل شيء الا الخمس".

(معجم کبیر:۲۱۰/۶، حدیث:۳۱۱۳، مسند حنبل:۲۹۶/۳، حدیث:۵۷۱۲)

یعنی مجھے ہر چیز کی کنجیاں عطا ہوئیں سوا ان پانچ یعنی غیوب خمسہ کے

علامہ حفنی حاشیہ جامع صغیر میں فرماتے ہیں:

"ثم أعلم بها بعد ذلك" . (حواشی الحفنی علی الجامع الصغیر:۲/۳۷)

یعنی پھر یہ پانچ بھی عطا ہو گئے، ان کا علم بھی دیا گیا۔

اسی طرح امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ذهب بعضهم الى أنه ﷺ أوتي علم الخمس أيضا وعلم وقت الساعة والروح وأنه أمر بكتم ذلك". (الخصائص الکبریٰ:۲/ ۱۹۵)

اور علامہ مدابغی حسن بن علی، علامہ ابن حجر مکی کی "الفتح المبین شرح الاربعین" پر اپنے حواشی میں تحریر فرماتے ہیں:

"والحق كما قاله جمع أن الله سبحانه وتعالىٰ لم يقبض نبينا عليه الصلاة والسلام حتى أطلعه على كل ما أبهمه عنه الا أنه أمر بكتم بعض والاعلام ببعض". اه.

(الفتح المبین مع حاشیۃ المدابغی :ص۷۳، مطبوعہ مصر)

دونوں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ حق مذہب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو وصال سے پہلے غیوب خمسہ اور روح کا علم بھی عطا فرما دیا جو پہلے حاصل نہ تھے۔ البتہ! آپ کو بعض علوم کے چھپانے کا من جانب اللہ حکم تھا اس لیے افشا نہ فرمایا۔

حضور تو حضور ہیں، حضور کے غلاموں کا یہ عالم ہے کہ حدیث پاک میں ہے:

" الأبدال فى أمتى ثلاثون، بهم تقوم الأرض وبهم تمطرون وتنصرون" .

یعنی ابدال میری امت میں تیس ہیں، انہیں سے زمین قائم ہے، انہیں کے سبب تم پر بارش برسائی جاتی ہے، انہیں کے صدقہ میں تمہیں مدد ملتی ہے۔

اور ایک روایت میں ہے:

"بهم ينصرون وبهم يرزقون".

(کنز العمال:۱۲/ ۱۸۶، حدیث:۳۴۵۹۳ اور ۳۴۵۹۵)

یعنی انہیں ہی کے وسیلے سے مدد دی جاتی ہے، ان ہی کی برکت سے لوگوں کو رزق ملتا ہے۔

سبحان اللہ! غلاموں کا عالم تو یہ ہے کہ ان کے توسط سے لوگوں کو رزق ملتا ہے اور ان کے آقا و مولیٰ ﷺ کے اختیار کا یہ عالم کہ روزی دینا ان کے اختیار میں نہیں!!!

اور آگے بڑھیے:

قرآن فرماتا ہے حضرت جبریل علیہ السلام کے کلام کی حکایت کرتے ہوئے:

"لِأَهَبَ لَكِ غُلَاماً زَكِيّاً". (پ۱۶، سورۂ مریم، آیت:۱۹)

یعنی میں تجھے ایک ستھرا لڑکا دوں۔

حیرت ہے کہ حضرت جبریل جو حضور کے آسمان پر وزیر ہیں، ان کے خداداد اختیار کا یہ حال کہ حضرت مریم کو فرزند بخش رہے ہیں مگر ان کے بھی آقا و مولا سید الکونین ﷺ کا یہ حال کہ کسی کو اولاد نہ دے سکیں!!!

تف رے نجدیت!!! حیف صد بار حیف!!! ایسے دھرم پر۔ لاجرم امام عارف باللہ سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"من لم یر ولایۃ الرسول علیه فی جمیع الأحوال ویر نفسه فی ملکه ﷺ لا یذوق حلاوۃ سنته".

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ: ۲/۱۹)

یعنی جو ہر حال میں نبی ﷺ کو اپنا والی اور اپنے آپ کو حضور کی ملک نہ جانے، وہ سنت نبوی کی حلاوت سے اصلاً محروم رہے گا۔

اگر حضور کے اختیارات وتصرفات کے لہراتے ہوئے دریا کی سیر کرنا ہو تو سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے رسالہ "منیۃ اللبیب" اور "الامن والعلیٰ" کی طرف رجوع کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

﴿عصمت انبیا کے باب میں اہل سنت کے موقف کا تفصیلی بیان﴾

سوال:۶ زید کا یہ عقیدہ ہے کہ سورۂ فتح کی آیت میں نبی کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف ہو گئے۔

الجواب: زید کا وہ عقیدہ اہل سنت و جماعت کے عقیدۂ عصمت کے خلاف ہے، اہل سنت کا عقیدہ مسئلہ عصمت میں یہ ہے کہ انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام شرک و کفر اور ہر ایسے امر سے جو خلق کے لیے باعث نفرت ہو، قبل نبوت اور بعد نبوت بالاجماع معصوم ہیں اور کبائر سے بھی مطلقا معصوم ہیں اور حق یہ ہے کہ تعمدِ صغائر سے بھی قبل نبوت اور بعد نبوت معصوم ہیں۔ (بہار شریعت، حصہ اول، ص: ۳۹)

ہمارے امام سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"الأنبیاء علیهم الصلاۃ والسلام کلهم منزهون عن الصغائر

والكبائر والكفر والقبائح". (فقہ اکبر،ص:۴،مطبوعہ حیدرآباد)

حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"(منزهون) أى معصومون (عن الصغائر والكبائر) أى من جميع المعاصي (والقبائح)وهى أخص من الكبائر، والمراد بها نحو القتل والزنا واللواطة والسرقة وقذف المحصنة والسحر والفرار من الزحف والنميمة وأكل الربا ومال اليتيم وظلم العباد وقصد الفساد فى البلاد". اھ. ملتقطا (شرح فقہ اکبر،ص:۱۶۹)

یعنی انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کفر سے اسی طرح تمام گناہوں سے چاہے صغیرہ ہوں یا کبیرہ، یونہی تمام برے افعال سے مثلاً قتل، زنا کاری، لواطت، چوری، پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت، جادو، جہاد سے بھاگنا، چغل خوری، سود خوری، یتیم کا مال مار لینا، لوگوں پر ظلم وستم، روے زمین میں فساد ڈالنا۔۔۔ ان تمام باتوں سے منزہ اور معصوم ہیں۔

سیدنا امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ''شفا'' میں اور حضرت علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ ''شرح شفا'' میں فرماتے ہیں:

"(قد استبان لك أيها الناظر ما هو الحق من عصمته ﷺ) وكذا عصمة سائر الأنبياء عليهم السلام (عن الجهل بالله تعالىٰ وصفاته) وأفعاله ومصنوعاته (أو كونه على حالة تنافى العلم بشيء من ذلك كله جملة) أي إجمالًا لا تفصيلا، وهذه العصمة

ثـابتة لـه (بـعـد الـنبـوـة عـقلا وإجماعاً وقبلها سماعا ونقلا، ولا بشيء) أي ولا على حالة تنافى العلم بشيء (مما قررناه) أي النبى (من أمـور الشـرع وأداه عـن ربه عز وجل من الوحي) أي الجلي والـخـفـي من الـكتاب والسنة (قطعا وعقلا وشرعا، وعصمته عن التـكـذيب) فى القول مطلقا (وخلف القول) فى الإخبار (منذ نبأه اللّٰـه تـعالىٰ) أي من ابتداء ما ظهر نبوته خصوصا (وأرسله) إلى أمته (قـصدا أو غير قصد) أي لا عن خطأ (واستحالة ذلك عليه شـرعـا) أي سـمـعـا (وإجـمـاعا ونظرا) أي عقلا (وبرهانا) بيانا ظـاهـرا (وتنزيهه عنه) عن الكذب (قبل النبوة قطعا وتنزيهه عن الـكبـائـر إجـمــاعــا) مـن غير التفـات لمن خـالف فيـه سمعـا أو عـقـلا (وعـن الصغائر تحقيقا) بحملها على خلاف الأولى تدقيقا" اهـ. ملخَّصا.

(شفا:۲/۲، ۱۷۳،۱۷۱، شرح شفا علی ہامش نسیم الریاض:۴/۲۲۲،۲۲۳)

یعنی اے چشم بینار کھنے والے! تم پر حق بخوبی واضح ہوگیا کہ حضور ﷺ اور ایسے ہی تمام انبیاے کرام علیہم السلام اس سے معصوم ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے افعال اور اس کی کارسازی کی معرفت حاصل نہ ہو یا ایسی حالت پر حضور کی سرشت وفطرت واقع ہوئی ہو جوان تمام امور کے اجمالی علم کے منافی ہو، اور یہ عصمت حضور کے لیے نبوت کے بعد اجماع اور دلیل عقلی سے اور قبل نبوت دلیل سمعی ونقلی سے

ثابت ہے، یونہی ایسی حالت سے بھی دلیل سمعی و عقلی کی رو سے قطعا معصوم ہیں جو آپ کے بیان کردہ شرعی اموراور آپ پر نازل کردہ وحی کے منافی ہو، عام ازیں کہ وہ وحی متلو یعنی قرآن ہو یا غیر متلو یعنی کہ حدیث ہو، اسی طرح جھوٹ سے اور ایسی بات کہنے سے بھی منزہ ہیں جو واقع نہ ہو پائے عمداً ہو یا سہواً خصوصا نبوت ورسالت کے بعد، اور یہ چیزیں اجماع امت کے علاوہ شرعا اور عقلا بھی محال ہیں، یونہی کبائر سے بالاجماع معصوم ہیں جو دلیل شرعی اور عقلی سے ثابت ہےاور خلاف کہنے والوں کا قول اصلاً لائق التفات نہیں ہےاور صغائر سے بھی منزہ ہیں، یہی مذہب محقق ہےاور جن نصوص سے ظاہراً صغائر کا وہم ہوتا ہے وہ نظر دقیق میں خلاف اولیٰ پر محمول ہیں۔

سیدنا امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" قال السبكي: أجمعت الأمة على عصمة الأنبياء فيما يتعلق بالتبليغ، وغيره من الكبائر، وصغائر الخسة، والمداومة على الصغائر. وفي الصغائر لا تحط من رتبتهم خلاف والمختار المنع، ومن جوزه؛ لم يجوزه بنص ولا دليل .اه. ملتقطا أي إنما تمسكوا بظواهر إن التزموها: أفضت بهم إلى خرق الإجماع وما لا يقول به مسلم". ملتقطا (زرقانی علی المواہب: ۳۱۴/۵)

یعنی امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاے کرام امور تبلیغیہ میں خطا کرنے سے، کبائر سے، ان صغائر سے جن کا کرنے والا گھٹیا اور بے عزت سمجھا جائے اور مطلقا صغائر کو بار بار کرنے سے معصوم ہیں۔ ہاں! جو صغائر

خساست پر دلالت نہ کرتے ہوں ان میں اختلاف ہے، راجح یہی ہے کہ انبیاے کرام سے ایسے گناہوں کا صدور بھی ممکن نہیں۔ اور جنہوں نے کہا کہ ممکن ہے، ان کے پاس کوئی قطعی دلیل اور نص نہیں ہے، البتہ! انہوں نے کچھ نصوص کے ظاہر سے استدلال کیا ہے حالاں کہ ان ظواہر کے التزام کرنے کی صورت میں خرق اجماع اور وہ لازم آئے گا جس کا کوئی مسلمان قائل نہیں۔

خلاصہ یہ کہ وہ نصوص اپنے ظاہر سے مصروف ہیں، ان سے ان کے ظاہر معنی مراد نہیں۔

مسامرہ میں ہے:

"أما الصغائر المنفرة كسرقة لقمة أو حبة وتسمى صغائر الخسة فهو معصومون عنها مطلقا" .اھ. (مسامرہ شرح مسایرہ، ص:۱۹۵)

یعنی وہ صغائر جو باعث نفرت ہوں جیسے لقمہ یا دانہ چرالینا جنہیں صغائر حسیسہ کہتے ہیں تو انبیاے کرام ان سے مطلقا معصوم ہیں۔

اسی طرح شفا میں ہے کہ

"صغيرة أدت إلى إزالة الحشمة وأسقطت المروؤة وأوجبت الإزراء والخساسة، فهذا أيضا مما يعصم عنه الأنبياء إجماعا" .اھ. ملخصا (شفا:۱۴۵/۲)

یعنی جن صغائر سے ہیبت زائل ہوجائے، مروت باقی نہ رہے اور ذلت وحقارت کا باعث ہوں، ایسے گناہوں سے بھی انبیاے کرام کا دامن عصمت پاک ہے۔

کشف الاسرار میں ہے:

" لا يصح وقوع ما هو معصية عن الأنبياء عليهم السلام، فإنهم عُصِموا عن الكبائر عند عامة المسلمين وعن الصغائر عند أصحابنا ". (کشف الاسرار شرح اصول بزدوی:۳/ ۱۹۹)

یعنی انبیاے کرام علیہم السلام سے گناہ کا صدور ممکن نہیں کیوں کہ وہ نفوس قدسیہ عامہ مسلمین کے نزدیک کبیرہ گناہوں سے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک صغیرہ گناہوں سے بھی معصوم ہیں۔

بنانی میں ہے:

" أما الحرام والمكروه فلا يوجد فی أفعال الأنبياء صلى الله عليهم وسلم لأنهم معصومون عن الكبائر عند عامة المسلمين وعن الصغائر عند أصحابنا خلافا لبعض الأشعرية ".

(بنانی شرح حسامی:۱/ ۱۷۳)

یعنی انبیاے کرام علیہم السلام سے نہ کبھی فعل حرام صادر ہوتا ہے نہ مکروہ، کیوں کہ وہ مقدس حضرات عامۃ المسلمین کے نزدیک کبائر سے اور ہمارے نزدیک صغائر سے بھی معصوم ہیں بخلاف بعض اشاعرہ کے۔

اور اوپر زرقانی اور امام سبکی کے حوالے سے گزر چکا کہ قول منع ہی مختار و راجح ہے۔ علاوہ ازیں یہ اختلاف صرف اس میں ہے کہ فی نفسہ ممکن ہے یا نہیں؟ اس بارے میں نہیں کہ بعض کے نزدیک واقع ہوا ہے اور بعض کے نزدیک واقع نہیں ہوا ہے۔

چناں چہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے نسمات الاسحار میں فرمایا:

"ھذا الاختلاف انما ھو فی جواز الوقوع وعدمه لا فی الوقوع نفسه کما نبه علیه اللقانی فی اتحاف المرید".

(نسمات الاسحار شرح افاضۃ الانوار، ص: ۲۰۶)

یعنی یہ اختلاف صرف وقوع کے امکان وعدم امکان کے بارے میں ہے نہ کہ خود وقوع وعدم وقوع کے بارے میں جیسا کہ امام لقانی نے ''اتحاف المرید'' میں اس پر تنبیہ فرمائی۔

اور سیدنا علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"والحاصل أن أحدا من أهل السنة لم يجوز ارتكاب المنهي منهم عن قصد ولكن بطريق السهو والنسيان ويسمى ذلك زلة".

(شرح فقہ اکبر، ص: ۱۷۷)

یعنی خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت میں سے کسی نے انبیاے کرام سے قصداً گناہ کا صدور جائز نہیں ٹھہرایا ہے مگر بطور سہو ونسیان اور اسے ''زلت'' کہتے ہیں۔

اور جو بھول کر صادر ہو، وہ سرے سے گناہ ہی نہیں تو ثابت کہ انبیاے کرام سے گناہ صادر ہی نہیں ہوا ہے۔

چناں چہ مجدد اعظم سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

''فعل کہ بلا قصد صادر ہو، ہرگز حرام یا معصیت بلکہ اقسام خمسہ (مباح، مستحب، واجب، فرض، زلت) سے کچھ نہیں ہوسکتا......تکلیف افعال اختیاریہ میں ہے اور فعل

اختیاری کو قصد لازم تو جو بلا قصد ہے مقسم ہی سے خارج ہے، اس کا حرام و معصیت ہونا ہرگز متصور نہیں۔ ہاں! بنظر تشابہ صوری، محض بطور مجاز کبھی اطلاق آتا ہے جس کے معنی یہ کہ اگر اس فعل کا کوئی شخص قصد و ارادہ کر لے تو اس کے حق میں حرام و معصیت ہوگا۔ انبیائے کرام مطلقاً معاصی سے پاک و منزہ ہیں"۔

(رسالہ: انبیائے کرام گناہ سے پاک ہیں، ص: ۲۵)

یہ ہے عقیدۂ اہل سنت کی تفصیل عصمت انبیائے کرام کے بارے میں، رہ گیا سورۂ فتح کی آیت سے گناہ پر استدلال کرنا جیسا کہ یہ وہابیوں کا طریقہ رہا ہے تو ہمارے اہل سنت کے اکابر ائمہ اس کے جوابات اپنی اپنی کتابوں میں صدیوں پہلے ہی عطا فرما چکے ہیں، مگر وہابیوں کا وطیرہ ہے کہ ان سے آنکھ پھیر کر صرف اس پر اڑے رہتے ہیں جس سے انبیائے کرام کی شان عظیم میں توہین و گستاخی کا پہلو نکل سکے، ان کی بارگاہ عزت و رفعت میں کسی طرح کا کوئی نقص نکل سکے۔

سطور بالا میں امام سبکی و امام زرقانی کا ارشاد گزر چکا کہ جنہوں نے انبیائے کرام سے صدور گناہ ممکن قرار دیا ہے، انہوں نے صرف کچھ نصوص کے ظواہر سے استدلال کیا ہے، حالاں کہ ان ظواہر کا التزام کرنے کی صورت میں خرق اجماع لازم آئے گا۔

معلوم ہوا کہ ایسے نصوص اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہیں بلکہ لامحالہ اپنے معنیٰ ظاہر سے مصروف ہیں۔

چناں چہ حضرت علامہ سیدنا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"مما نقل عن الأنبياء عليهم الصلاة والسلام فمصروف عن

ظاهره اِن أمکن، واِلّا فمحمول علی ترك الأولی".

(شرح فقہ اکبر،ص:۱۷۷)

یعنی انبیاے کرام سے متعلق جو منقول ہے اسے معنیٔ ظاہر سے پھیرا جا سکے تو پھیرنا واجب ہے ورنہ اسے ترک اولیٰ پر محمول کریں گے۔

نیز''شرح شفا'' میں ان کا وہ قول بھی گزر چکا کہ جن نصوص سے ظاہراً صغائر کا وہم ہوتا ہے، وہ نظر دقیق میں خلاف اولیٰ پر محمول ہیں۔

پس جب یہ معلوم ہو گیا کی ایسی آیات واجب التاویل ہیں تو اب سطور ذیل میں اولاً آیت فتح پھر علماے اہل سنت کی تاویلات ذکر کی جاتی ہیں۔

﴿آیت فتح کا صحیح محمل اور اس پر عبارات ائمہ﴾

سورۂ فتح کی دوسری ہی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "لِیَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ". اس آیت کے ظاہری معنی، حضور کی ذات اقدس کو مخاطب کرتے ہوئے درست نہیں ہیں، کیوں کہ اس کا ظاہراً معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی آپ کے اگلے اور پچھلے ذنوب کی مغفرت فرمائے اور''ذنوب'' کا معنی بظاہر''گناہ'' کے ہے، پس اگر آیت کو اس کے ظاہر پر محمول کیا جائے تو عصمت انبیا کا مسلم قاعدہ پارہ پارہ ہو جائے گا جو صدیوں سے ائمہ دین میں چلا آ رہا ہے اور اوراق گزشتہ میں چند عبارتیں اس تعلق سے ذکر کی جا چکی ہیں، ولہذا اساطین ملت اور مفسرین نے اس آیت کی مختلف تفاسیر کی ہیں جو ذیل میں ذکر کی جاتی ہیں:

اول: ﴿خلاف اولی﴾

کئی مفسرین اور ائمۂ دین فرماتے ہیں کہ یہاں ''ذنوب'' سے مراد خلاف اولیٰ ہیں یعنی انبیاے کرام بالخصوص حضورﷺ کے لیے ان کی عظمت شان کے لائق جو افضل واولیٰ تھا، اسے چھوڑ کر غیر افضل وخلاف اولیٰ کو اختیار فرمایا اور پرُ ظاہر کہ افضل وغیر افضل دونوں اس میں یکساں ہیں کہ ان میں سے کوئی گناہ نہیں ہے، لہذا اس آیت کریمہ سے حضورﷺ سے صدور گناہ پر استدلال ساقط ہو گیا ـــــ اور آیت شریفہ میں ''خلاف اولیٰ'' کو ''ذنوب'' یعنی گناہ سے تعبیر کرنا یہ حضور کے مرتبہ عُلیا اور غایت قرب کے لحاظ سے ہے یعنی بارگاہ خداوندی میں حضور کا جو بلند مقام ہے اور حضور کو جو غایت قرب حاصل ہے، اس کو دیکھتے ہوئے یہ مفضول اور خلاف اولیٰ بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالاں کہ حضور کا یہ مفضول عمل بھی امتیوں بلکہ صدیقین کے افضل سے بھی افضل ہے، اسی کو کہتے ہیں ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' یعنی نیکوں کی نیکیاں مقربین کے حق میں گناہ تصور کی جاتی ہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ لفظ ''ذنب'' میں اصل وضع کے اعتبار سے حقارت وخساست کا مفہوم ماخوذ ہے، ولہذا جہاں یہ مادہ پایا جائے گا وہاں کسی نہ کسی طرح حقارت وذلت کا مفہوم موجود ہوگا مثلاً دم کو عربی میں ''ذَنَب'' کہتے ہیں جو حیوان کے سب سے آخر میں مخصوص مقام سے قریب رہتی ہے، ظاہر ہے کہ اس میں معنیٔ خساست موجود ہے کہ سلیم الطبع آدمی اس کو پسند نہیں کرے گا کیوں کہ ہر وقت مقام مخصوص سے چمٹے رہنے کی وجہ سے دُم بھی گندگی سے بھری رہتی ہے، اسی طرح ''اَذْنَاب'' عربی میں ان

لوگوں کے کہتے ہیں جو معاشرہ میں گھٹیا اور بد اصل سمجھے جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اس مادے سے جو لفظ بھی مشتق ہوگا، اس میں کسی نہ کسی حیثیت سے ذلت وحقارت کا عنصر موجود ہوگا۔ تو اب حضور ﷺ کے خلاف اولیٰ فعل پر ''ذنب'' کا اطلاق اس حیثیت سے کیا گیا کہ آپ کے افعال عالیہ، اخلاق فاضلہ اور احوال سامیہ کو دیکھتے ہوئے، یہ امر سب سے ادنیٰ ہے، لہذا یہ اطلاق بر بنائے مجاز ہے نہ کہ بر بنائے حقیقت۔

چناں چہ تفسیر مدارک شریف میں ہے:

"ذنب الانبياء ترك الأفضل دون مباشرة القبيح، وذنوبنا مباشرة القبائح من الصغائر والكبائر".

(مدارک بر ہامش خازن: ۵/ ۵۰۸)

یعنی ذنوب انبیا سے مراد ترک افضل ہے نہ کہ ارتکاب گناہ اور ذنوب کی نسبت جب ہماری طرف کی جائے تو اس سے گناہ صغائر و کبائر مراد ہوتے ہیں۔

تفسیر ابو سعود میں ہے:

"(ما تقدم من ذنبك وما تأخر) أي جميع ما فرط منك من ترك الأولى، وتسميته ذنبا بالنظر الى منصبه الجليل".

(تفسیر ابی سعود: ۷/ ۴۰۷)

یعنی ''ما تقدم من ذنبک وما تاخر'' سے تمام خلاف افضل امور مراد ہیں جو حضور سے صادر ہوئے اور حضور کے منصب جلیل کو دیکھتے ہوئے ان امور کو ''ذنب'' سے موسوم

کیا گیا۔

نسیم الریاض میں ہے:

"سُوّي المتقدم بالمتأخر ايماء الى أنه مثله فى عدم الوقوف، وانما هو خلاف أولىٰ مما عدّه بالنسبة اليه ذنبا".

(نسیم الریاض:۴/۱۷۱)

یعنی متقدم کی متاخر کے ساتھ مساوات اس لیے رکھی گئی تا کہ یہ اس طرف مشعر ہو کہ متاخر بھی متقدم کی مثل گناہ نہیں ہے بلکہ صرف خلاف اولیٰ ہے جسے حضور کی طرف نسبت کرتے ہوئے ''ذنب'' سے تعبیر کیا گیا۔

حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ''شرح شفا'' میں فرماتے ہیں:

" (وهى ذنوب بالإضافة إلى علىّ منصبهم ومعاص بالنّسبة إلى كمال طاعتهم لا أنّها كذنوب غيرهم ومعاصيهم، فإنّ الذّنب مأخوذ من الشّيء الدّني)أي الحقير الخسيس (الرّذل) أي المذموم الردي (فكأن هذه)أي الأمور التى تصرفوا فيها (أدنى أفعالهم وأسوأ ما يجرى من أحوالهم) بالإضافة إلى أعلى مراتب أفعالهم...... (وغيرهم يتلوّث من الكبائر والقبائح والفواحش ما تكون هذه الهنات) أي العثرات والزلات(فى حقّه كالحسنات) بل حسنات إذ ليست فى الحقيقة سيئات بل طاعات (كما قيل حسنات الأبرار)أي من المؤمنين (سيّئات المقرّبين) من الأنبياء

والمرسلين (أي يرونها بالإضافة إلى عليّ أحوالهم كالسّيّئات)"
.اھ. ملخصا (شرح شفا:۴/۲۱۲تا۲۱۴)

یعنی انبیا کے 'ذنوب' اوروں کے مثل نہیں ہیں بلکہ انہیں انبیاے کرام کے مناصب علیہ، مقامات رفیعہ وکمال طاعت کودیکھتے ہوئے ''ذنوب'' کہا گیا کیوں کہ ذنب کے معنی میں خساست ورذالت کا مفہوم ماخوذ ہے تو گویا یہ امور جن پر عامل ہوئے، ان کے افعال بالا مرتبت سے نسبتا ادنی درجے پر واقع ہوئے اور جن احوال کا ان پر فیضان کیا جاتا ہے، اس لحاظ سے سیئات ہیں۔ اور دوسرے لوگ کبائر، بدکاری اور فواحش میں ایسے ملوث رہتے ہیں کہ یہ زلات اور لغزشیں ان کے حق مین بمنزلۂ حسنات بلکہ حسنات ہوتی ہیں کیوں کہ زلات انبیا درحقیقت سیئات نہیں بلکہ طاعات ہی ہیں۔ چناں چہ کہا گیا کہ نیکوں کی نیکیاں مقربان بارگاہ جیسے انبیا ومرسلین کے حق میں گناہ ہوتی ہیں کہ وہ مقدس نفوس ان نیکیوں کو اپنے احوال کے مدنظر گناہ کے مانند سمجھتے ہیں۔

سیدنا امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ ''شرح مواہب'' میں فرماتے ہیں:

(قيل المراد بالذنب ترك الأولىٰ) وعُدّ ذنبا لرفعة مقامه ونزاهته فلا يفعله كما لا يفعل الذنب الحقيقى (كما قيل: حسنات الأبرار سيئات المقربين) لأنه كلما ارتقى درجة عدَّ ما قبلها سيئة (وترك الأولىٰ ليس بذنب لأن الأولىٰ وما يقابله مشتركان فى اباحة الفعل) وما أبيح ليس بذنب، فأطلق عليه اسمه مجازا". ملخصا.

(زرقانی علی المواہب:۶/۲۶۱)

یعنی بعض مفسرین نے کہا کہ ذنب سے خلاف اولی مراد ہے اور چوں کہ حضور کا مقام ایسے امر سے بھی انتہائی برتر و بالا ہے، لہذا اسے ''ذنب'' سے تعبیر کیا گیا تا کہ اس سے بھی اپنے دامن کو محفوظ رکھیں جیسا کہ حقیقتاً ''ذنب'' سے معصوم و محفوظ ہیں، چناں چہ کہا گیا ہے کہ نیکوں کی نیکیاں مقربوں کے حق میں ''گناہ'' ہیں کیوں کہ وہ جوں جوں درجات طے کرتے جاتے ہیں تو سابقہ درجوں کو ''گناہ'' شمار کرتے ہیں اور خلاف اولیٰ اصلاً گناہ نہیں وجہ یہ ہے کہ اولیٰ اور اس کا مقابل دونوں اس میں مشترک ہیں کہ فعل مباح ہے اور جو مباح ہے وہ گناہ نہیں۔ پس ترک اولیٰ پر ''ذنب'' کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے۔

اور سیدنا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

''بادشاہ جبار جلیل القدر ایک جنگل گنوار کی جو بات سن لے گا، جو برتاؤ گوارا کرے گا، ہر گز شہریوں سے پسند نہ کرے گا، شہریوں میں بازاریوں سے معاملہ آسان ہوگا اور خاص لوگوں سے سخت اور خاصوں میں درباریوں اور درباریوں میں وزرا، ہر ایک پر بار دوسرے سے زائد ہے۔ اس لیے وارد ہوا ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' نیکوں کے جو نیک کام ہیں، مقربوں کے حق میں گناہ ہیں، وہاں ''ترک اولیٰ'' کو بھی گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے حالاں کہ ترک اولیٰ ہرگز گناہ نہیں''۔

(فتاوی رضویہ جدید:۲۹/۴۰۰)

''مدارج النبوۃ''، شیخ محقق شاہ عبدالحق علیہ الرحمۃ کے حاشیۂ امیر علی میں ہے:

''آں چہ حق تعالیٰ مغفرت فرمودہ است از ذنب آں حضرت ﷺ آں ذنب چیزے بود کہ اگر از صدیق سرزدے، نیکی بودے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین، کجارا از مرتبۂ مابعد یعنی شہید یا صالحین و بالاتر از ولی مرتبۂ شہید است کہ اگر شہید بالفرض لائق مرتبۂ خود عمل نہ کند' باز بمرتبۂ ولی افتد، و بالاتر از شہید مرتبۂ صدیق است کہ اگر از مقام خود نزول کند بمرتبۂ شہید آید، واَمّا مرتبۂ نبوت، پس اعلیٰ و محض وفضل حق تعالیٰ است کہ معصوم آمدند۔ پس نزول انبیا بمرتبۂ صدیق نمی تواند شد تا بدیگراں چہ رسد''. ملخصا

(حاشیۂ امیر علی بر مدارج: حصہ اول ص:۴۳۷)

یعنی حق تعالیٰ نے حضور ﷺ کے جن ''ذنوب'' کی مغفرت فرمائی ہے یہ وہ ''ذنوب'' ہیں کہ شہدا یا صالحین تو کجا! اگر صدیقین سے صادر ہوں تو نیکیاں کہلائیں کہ نیکوں کی نیکیاں مقربین کے حق میں گناہ تصور کی جاتی ہیں۔ اور ولی سے بلند تر مقام شہید کا ہے کہ بالفرض اگر شہید اپنے مرتبہ کے مناسب عمل نہ کرے تو ولی کے مرتبے پر نزول کرتا ہے اور پھر شہید سے اعلی مقام صدیق کا ہے کہ اگر اپنے مرتبے سے تنزل کرے تو شہید کے درجے پر وارد ہو لیکن مقام نبوت سب سے بلند و بالا اور محض فضل الٰہی ہے کہ انبیا معصوم ہوتے ہیں، لہذا ان کا اپنے مقام سے صدیقین کے درجے کی طرف تنزل کرنا بھی ممکن نہیں شہید اور صالحین تو در کنار رہے۔

سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

''اس افضل سے بھی مراد وہ ہے جو انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی عظمت شان کے لائق

ان کے لیے افضل تھا، ورنہ ان کا مفضول کام بھی صدیقین کے افضل از افضل فعل سے افضل ہے، تا بدیگراں چہ رسد''۔

(رسالہ ''انبیاے کرام گناہ سے پاک ہیں'' ص:۲۴)

پس جب کے ذنب سے مراد خلاف اولیٰ ہے تو اس تقدیر پر مغفرت کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر عتاب ترک فرما دیا اور جس طرح اگلے انبیاے کرام سے خلاف اولی امر کے صدور پر عتاب فرمایا' حضور سے یہ معاملہ نہ فرمایا بلکہ محض اپنے غایت فضل سے اس خلاف افضل پر عتاب تک معاف فرما دیا۔

چناں چہ حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" (ما تقدم من ذنبك وما تأخر) أي ما صدر منه جائزا وكان تركه اولیٰ فغفر له بترك عتابه فى مقام خطابه".

(شرح شفا بر ہامش نسیم الریاض:۴/۱۷۰)

یعنی وہ جائز امر جو حضور سے صادر ہوا حالاں کہ اس کا ترک افضل تھا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا بایں طور کہ مقام خطاب میں عتاب نہ فرمایا۔

دوم: ﴿تشریف وتکریم﴾

سیدنا امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کی انوکھی تحقیق فرماتے ہیں، ان کی تحقیق انیق کے مطابق اس آیت کریمہ سے حضور ﷺ کی محض تکریم وتشریف مقصود ہے، بے اس کے وہاں کوئی گناہ ہو یعنی کہ مغفرت ذنوب سے ظاہر معنی مراد نہیں بلکہ یہ حضور کی تکریم وتشریف سے کنایہ ہے جس طرح کوئی شخص کہے کہ زید لمبے ہاتھوں سے دیتا ہے

تو اس سے مقصود زید کی سخاوت اور فیاضی کا بیان ہے نہ کہ اس کے ہاتھوں کی لمبائی اور چوڑائی کو بیان کرنا۔

چناں چہ حضرت شیخ محقق ''مدارج النبوۃ'' میں فرماتے ہیں:

''گفتہ است سبکی در تفسیر خود کہ بتحقیق تامل کردم دریں کلام یعنی آیت "لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" پس یافتم اورا کہ احتمال نہ دارد مگر یک وجہ را وآں تشریف وتکریم پیغمبر است ﷺ بے آں کہ دریں جا گناہے باشد۔ وگفت سبکی: وبعد ازاں کہ در افتادم من بریں معنی، یافتم ابن عطیہ را نیز کہ افتادہ است برایں وگفتہ است کہ معنیٔ آیت تشریف است بایں حکم ونیست دریں جا گناہے''۔

یعنی امام سبکی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ البتہ میں نے اس آیت کریمہ میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس میں ایک ہی احتمال ہے اور کوئی احتمال نہیں۔ اور وہ ہے رسول اللہ ﷺ کی تشریف اور تکریم، بے اس کے کہ اس میں کسی گناہ کا ثبوت ہو اور آگے یہ بھی فرمایا کہ پھر میں نے ابن عطیہ کو دیکھا کہ انہوں نے اسی پر محمول کیا جس پر میں نے محمول کیا، چناں چہ فرمایا کہ آیت کا مقصود اس حکم سے حضور کی عزت افزائی ہے وبس۔

حضرت شیخ محقق مذکورہ عبارت کو ایک تمثیل سے واضح فرماتے ہیں:

''بیانش آنست کہ خواجگان گاہے تشریف می دہند بعضے خواص از بندگانِ خود را، ومی نوازند ایشاں را، ومی گویند کہ بخشیدم ترا ودرگزاشتیم از ہر گناہے کہ پیش وپس کردہ ومواخذہ نیست برتو، وحال آں کہ آں بندہ ہیچ گناہے ندارد، وخواجہ ہم می داند کہ ہیچ گناہے از وے صادر نہ شدہ نہ پیش ونہ پس، ولیکن ایں کلام مفید تشریف وتکریم است

مر بندگان را''۔ (مدارج النبوۃ، حصہ اول، ص:۲۷)

یعنی اس کی توضیح یہ ہے کہ بادشاہ بسا اوقات اپنے کسی خادم خاص کو شرف دیتا ہے اور اس پر اپنی نوازش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نے تجھے بخش دیا اور تیری اگلی پچھلی تمام خطاؤں کو درگزر کیا اور تجھ پر کسی طرح کا کوئی مؤخذہ نہیں ہے، حالاں کہ اس خادم نے کبھی کوئی جرم نہیں کیا ہے اور خود بادشاہ بھی جانتا ہے کہ اس سے کبھی کوئی جرم سرزد نہیں ہوا ہے نہ پہلے کبھی نہ بعد میں، مگر اس طرح کا جملہ استعمال کرنے میں اس کی عزت افزائی اور اسے مشرف کرنا مقصود ہوتا ہے۔

بلکہ خود حضرت شیخ کے نزدیک بھی یہی تاویل مختار ہے۔

چناں چہ ص:۸۶ پر فرماتے ہیں:

''صواب آں ست کہ این کلمۂ تشریف وتکریم است بے آں کہ دریں جا ذنبے باشد''.

یعنی صحیح یہ ہے کہ یہ کلمہ تشریف اور تکریم کے لیے ہے، بے اس کے کہ اس میں کسی گناہ کا ثبوت ہو۔

سوم: ﴿عصمت سے کنایہ﴾

بعض محققین فرماتے ہیں کہ لفظ مغفرت یہاں ''عصمت'' سے کنایہ ہے اور سیدنا امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ انتہائی شاندار جواب ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ لفظ ''غفر'' کا اصل معنی ہے چھپانا اور پردہ ڈالنا، اور جو الفاظ اس مادے سے مشتق ہوں گے ان میں کہیں نہ کہیں چھپانے کا مفہوم ضرور پایا جائے گا۔

مثال کے طور پر مِغْفَر‘‘ جس کے معنی خَوْ دْ‘‘ کے ہیں یعنی وہ آہنی ٹوپی جسے فوجی جنگ کے وقت سر پر پہنتا ہے تاکہ دشمن کے وار سے سر کو محفوظ رکھے گویا کہ وہ ٹوپی دشمن کے حملے سے سر چھپا دیتی ہے۔

چناں چہ عربی زبان کی مشہور و معروف لغت ’’قاموس‘‘ میں ہے:

"غفر ہ: سترہ" . (القاموس المحیط، ص:۹۵۴)

یعنی غفر کے معنی چھپانے کے ہیں۔

اور امام راغب کتاب المفردات میں فرماتے ہیں:

" **الغفر**: الباس ما يصونه عن الدنس...... وقيل: اغفروا هذا الأمر بغفرته أي استروه بما يجب أن يستر به. و **المغفر**: بيضة الحديد. **والغفارة**: خرقة تستر الخمار أن يمسه دهن الرأس، ورقعة يغشى بها محزّ الوَتَر". ملخصا. (مفردات راغب، ص:۲۷۳)

یعنی غفر کے معنی ایسی چیز کا پہننا جو میل کچیل سے محفوظ رکھے۔ کہا جاتا ہے "اغفروا هذا الأمر بغفرته" یعنی اس معاملہ کو لازماً چھپاؤ ایسی چیز کے ذریعہ جس سے چھپایا جا سکے۔ اور ’’مِغْفَرْ‘‘ کے معنی آہنی خود کے ہیں۔ اور ’’غَفَارة‘‘ کے معنی وہ سر بند جسے سر پر لپیٹ کر عورت اپنے دوپٹے کو تیل سے بچائے اور وہ پٹی جو کمان کے شگاف میں لپیٹی جائے جہاں تانت ہوتا ہے۔

پس جب کہ کتب لغت سے ثابت ہو گیا کہ "غفر" کے معنی چھپانے کے آتے ہیں تو "مغفرت" کے معنی بھی چھپانے ہی کے ہوں گے کہ یہ لفظ بھی "غفر" کی طرح

مصدر ہے،اب چھپانا دوطرح سے ہوتا ہے:

اول: بندے اور گناہ کے درمیان ہی پردہ ڈال دیا جائے اور اسے گناہ سے سرے سے محفوظ رکھا جائے کہ گناہ اس کی ذات سے ظاہر ہی نہ ہو بلکہ چھپا ہی رہے۔

دوم: گناہ اور اس کی سزا کے درمیان پردہ ڈال دیا جائے کہ گناہ تو کرے مگر اس کی سزا اس پر ظاہر نہ کی جائے بلکہ چھپا دی جائے۔

پس جب دونوں معانی کو "مغفرت "عام ہے تو جہاں انبیاے کرام کے حق میں یہ لفظ وارد ہے، اس سے معنی اول مراد لیں گے کہ وہی ان کی عظمت شان کے لائق ہے اور جہاں امت کے حق میں وارد ہے تو لفظ ''مغفرت'' سے معنی دوم مراد لیا جائے گا۔

چناں چہ علامہ برماوی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

" أي حال بينك وبين الذنوب ولا تأتيها لأن الغفر الستر، وهو إما بين العبد والذنب، وإما بين الذنب وعقوبته. واللائق بالأنبياء الأول، وبأممهم الثاني". (زرقانی علی المواہب :۲۶۲/۶)

یعنی تمہارے درمیان اور گناہ کے درمیان حائل ہو گیا،لہذا تم سے گناہ کا صدور نہیں ہوتا ہے کیوں کہ غفر کے معنی ہیں پردہ ڈالنا۔اور پردہ ڈالنا یا تو بندے اور گناہ کے درمیان ہوگا یا گناہ اور اس کی سزا کے درمیان ہوگا، پہلا احتمال انبیاے کرام کے شایان شان ہے اور دوسرا احتمال امت کے حق میں مناسب ہے۔

اور قرآن مقدس میں کئی مقامات پر لفظ ''عفو، توبہ اور مغفرت'' کو تخفیف اور رخصت کے مقام پر استعمال کیا گیا ہے۔سیدنا امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال دیتے ہیں

کہ "عَلِمَ اللّٰهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ" (یعنی اللہ نے جانا کہ تم اپنی جانوں پر خیانت کرتے تھے تو اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تمہارے ساتھ عفو فرمایا) میں "عَفَا عَنكُمْ" مقام رخصت میں وارد ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اس حکم میں تخفیف فرمائی اور روزے کی راتوں میں تمہارے لیے بیوی سے ہم بستری کی رخصت عطا فرمائی۔ بلکہ سیدنا امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ یہاں تک فرماتے ہیں کہ جس نے یہ کہا کہ عفو و مغفرت، گناہ کے صدور ہی سے ناشی ہے، وہ محاورات عرب سے یکسر نا آشنا اور جاہل ہے۔

پس جب کہ عفو اور مغفرت، قرآن مقدس اور محاورات عرب میں صدور گناہ سے خاص نہیں ہیں بلکہ ان کے مواقع استعمال میں سے تخفیف اور ترخیص بھی ہے تو آیت فتح میں مغفرتِ ذنوب کو گناہ کے بعد عذاب اور سزا کی معافی اور بخشش سے زبردستی خاص کرنا کہاں کا انصاف ہے؟؟؟ خصوصا جب کہ مخاطب وہ ذات ہے جس کے گناہ سے معصوم ہونے پر امت کا اجماع ہے۔

لہذا، اس تقدیر پر آیت کریمہ کا یہ مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اگلے اور پچھلے زمانے میں گناہ سے محفوظ رکھے اور اپنی عِصْمت عطا فرمائے۔

اب عبارت ملاحظہ کریں:

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"أحسن ما يجاب به عن الآية الكريمة أنه كنى بالمغفرة عن العصمة أى ليعصمك اللّٰه عن الذنب فيما تقدم من عمرك وما تأخر

وقد نص غير واحد على أن المغفرة والعفو والتوبة جاء ت فى القرآن والسنة فى معرض الإسقاط والترخيص وإن لم يكن ذنب، ومنه قوله تعالى: "علم اللّٰه أنكم كنتم تختانون أنفسكم فتاب عليكم وعفا عنكم" أي رخص لكم". (الحاوی للفتاوی:۱/۳۲۲)

یعنی آیت کریمہ کا سب سے عمدہ جواب یہ ہے کہ مغفرت سے عصمت کا کنایہ کیا گیا ہے یعنی تا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اگلی اور پچھلی عمر میں گناہ سے معصوم رکھے۔ اور متعدد حضرات نے تصریح کی ہے کہ مغفرت، عفواور توبہ قرآن وسنت میں ایسے مقام پر وارد ہوئے ہیں جہاں کسی سخت حکم کو اٹھا کر رخصت عطا فرمائی گئی، باوجودیکہ گناہ نہ ہوا ہو۔ اسی قبیل سے ہے فرمان الٰہی: علم اللہ الخ، چناں چہ اس آیت میں ''عفا عنکم'' کے معنی یہ ہیں کہ تمہیں رخصت عطا فرمائی۔

امام زرقانی فرماتے ہیں:

" قال بعض المحققين :المغفرة هنا كناية عن العصمة، فمعنى "ليغفر لك اللّٰه ما تقدم من ذنبك وما تأخر" ليعصمك اللّٰه فيما تقدم من عمرك وفيما تأخر منه. قال السيوطى: وهذا القول فى غاية الحسن، وقد عد البلغاء من أساليب البلاغة فى القرآن أنه يكنى عن التخفيفات بلفظ المغفرة والعفو والتوبة". اھ.

(زرقانی علی المواہب: ۶/۲۶۲)

یعنی بعض محققین نے کہا کہ مغفرت یہاں عصمت سے کنایہ ہے، اس تقدیر پر "لِيَغْفِرَ

لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ" کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تمہیں گزشتہ اور آئندہ زندگی میں گناہ سے عصمت عطا فرمائے۔ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ انتہائی عمدہ توجیہ ہے اور بلغانے قرآن کے اسلوب بلاغت سے یہ بھی گنایا ہے کہ مغفرت، عفو اور توبہ سے تخفیفات کا کنایہ کیا گیا ہے۔

اور علامہ قاسم بن قطلو بغا فرماتے ہیں:

"قال القشیری: إنما یقول: العفو لا یکون إلا عن ذنب؛ من لم یعرف کلام العرب". (حاشیۂ مسایرہ شرح مسامرہ، ص: ۱۹۷)

یعنی امام قشیری نے فرمایا کہ عفو، گناہ کے بعد ہی ہوتا ہے وہی شخص کہے گا جو کلام عرب سے یکسر نا آشنا ہے۔

چہارم: ﴿بفرض وقوع﴾

حضرت سید المفسرین ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت مبارکہ میں اگلے اور پچھلے ذنب پر مغفرت کا ترتب بفرض وقوع ہے یعنی کہ اے محبوب! آپ پر آپ کے رب کا اتنا کرم اور اس قدر فضل ہے کہ ویسے تو آپ سے گناہ کا صدور ہو نہیں سکتا کہ ہم نے آپ کو معصوم بنایا لیکن اگر بالفرض اس کا وقوع عقلاً تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی آپ کا رب کریم و رحیم اسے معاف فرما چکا، لہذا اس آیت سے حضور کی ذات گرامی سے بالفعل گناہ کے وقوع پر استدلال ساقط ہو گیا۔ کیوں کہ آیت کریمہ کا حاصل یہ ہوا کہ اگر بفرض محال آپ سے اگلے یا پچھلے زمانے میں گناہ کا صدور محض عقلاً

مان بھی لیا جائے تو وہ بھی معاف تو عفو ومغفرت کا ترتب شرط پر حقیقتاً نہیں، محض تقدیراً وفرضاً ہے۔

اس کو ایک مثال سے سمجھیے کہ کسی نے اپنے دوست سے کہا کہ "أكرم ضيفك" یعنی اپنے مہمان کی عزت کرنا تو اس سے یہ مراد نہیں کہ اس وقت کوئی مہمان موجود ہے، نہ یہ خبر ہے کہ خواہی نخواہی کوئی مہمان آئے گا، بلکہ صرف اتنا مطلب ہے کہ اگر ایسا ہو تو یوں کرنا کیوں کہ انشا کا صیغہ وقوع پر دال نہیں، اسی طرح یہ آیت کریمہ کہ "اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے اور پچھلے ذنوب کی مغفرت فرمائے" اس کا معنی یہ ہوا کہ اگر بالفرض اور برتقدیر تنزل ایسا عقلاً ممکن ہو تو وہ معاف۔

چناں چہ شفا شریف اور مواہب شریف میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے:

"مقصد الآية أنك مغفور لك غير مؤاخذ بذنب أن لو كان".

(شفا:۲/۱۵۷، مواہب:۳/۲۴۵)

زرقانی علی المواہب میں ہے:

" (قال ابن عباس) في إزالة الشبهة عن ظاهره المقتضى وقوع ذنب من عليه بغفرانها، مع أنه لا ذنب له (أي إنك مغفور لك غير مؤاخذ بذنب أن لو كان) فهو على طريق الفرض تطمينا له، فلم يرد أنه وقع ذنب غفر له بل لو فرض وقوعه؛ وقع مغفورا".

(زرقانی:۶/۲۶۱)

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس شبہ کے ازالے کے لیے جو اس

آیت کے ظاہر پر وارد ہوتا ہے کہ گناہ کی مغفرت فرمانا حضور سے صدور گناہ کا مقتضی ہے حالاں کہ حضور سے گناہ کا صدور قطعاً محال ہے، فرمایا کہ آپ بخشے بخشائے ہیں، کسی گناہ پر آپ سے مواخذہ نہ ہوگا اگر بالفرض گناہ کا صدور ہو، تو یہ بر سبیل تنزل ہے جس سے حضور کی تسکین و تشفی مقصود ہے، لہذا اب یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ حضور سے گناہ صادر ہوا جس کی مغفرت فرمائی گئی بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ اگر گناہ کا وقوع فرض کرلیا جائے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما چکا۔

نسیم الریاض میں ہے:

"فهو أمر جاء على طريق الفرض تطمينا له صلى الله عليه وسلم فلا يقوم بها حجة لتجويز الذنوب عليهم" .اھ. (نسیم الریاض:۴/۱۷۶)

یعنی یہ امر بر تقدیر تسلیم وارد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین فرمانے کے لیے، لہذا اس آیت کے ذریعہ انبیاے کرام سے صدور گناہ کو جائز ٹھہرانے پر حجت قائم نہ ہوگی۔

مدارج النبوۃ شریف میں ہے:

''ابن عباس گفتہ اند کہ مراد غفرانِ ذنوب است بر تقدیر وقوع و فرض آں بامکانِ عقلی نہ وجودِ فعلی''۔ (مدارج النبوۃ: حصہ اول، ص:۸۶)

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آیت کا منشا: گناہوں کی مغفرت و بخشش بفرض وقوع ہے اور یہ فرض اور تقدیر محض امکان عقلی کے طور پر ہے، وجود بالفعل کے بطور نہیں۔

پنجم: ﴿سہو ونسیان﴾

بعض ائمہ کرام مثل امام قشیری اور امام علی قاری کے نزدیک راجح یہ ہے کہ اس آیت میں ذنب سے مراد وہ افعال ہیں جو حضور سے سہواً صادر ہوئے اور ظاہر ہے کہ سہو نہ گناہ نہ اس پر مؤاخذہ۔ اور قرآن مقدس کے محاورے میں معصیت اور ذنب عمداً ارتکاب گناہ کے ساتھ خاص نہیں۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"عَصَى آدَمُ رَبَّهٗ" (پ۱۶، سورۂ طہٰ، آیت:۱۲۱)

یعنی آدم نے اپنے رب کی معصیت کی۔

جب کہ خود ہی ارشاد فرماتا ہے:

"فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْماً" (پ۱۶، سورۂ طہٰ، آیت:۱۱۵)

یعنی آدم بھول گیا، ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔

ثابت ہوا کہ قرآن شریف کے محاورے میں سہو ونسیان پر بھی معصیت یعنی ذنب کا اطلاق ہوا ہے محض صورۃً مشابہت کی بنا پر کہ اگر کوئی دوسرا شخص اپنے ارادے اور اختیار سے وہ فعل کرے تو ضرور گناہ گار ہوگا، اسی طرح آیت فتح میں حضور کے جن افعال پر ذنب کا اطلاق ہوا ہے، یہ وہ افعال ہیں جو محض سہواً صادر ہوئے اور ان کو ''ذنب'' اس بنا پر کہا گیا کہ اگر دوسرا کوئی انہی افعال کا قصداً ارتکاب کرے تو ضرور اس کے حق میں وہ افعال ''ذنب'' ہوں گے اور ضرور وہ گناہ گار ہوگا۔

چناں چہ مواہب اور شفا میں ہے:

"قیل: المراد ما کان عن سھو وغفلة وتأویل......اختاره القشیری". (مواہب:۳/۲۴۵، شفا:۲/۱۵۷)

یعنی ایک قول یہ ہے کہ مراد وہ افعال ہیں جو سہو، غفلت یا تاویل کے سبب واقع ہوئے، اس تاویل کو امام قشیری نے اختیار فرمایا۔

حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

"(ما کان عن سھو وغفلة وتأویل) وقع فیه زلةً وهذا أحسن ما قیل فی هذه المسألة". (شرح شفا برہامش نسیم الریاض:۴/۱۷۵)

یعنی مراد وہ افعال ہیں جو سہو، غفلت یا تاویل کے سبب بطور زَلّت آپ سے واقع ہوئے۔ اور یہ اس بارے میں سب سے عمدہ قول ہے۔

سیدنا اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"فعل کہ بلا قصد صادر ہو، ہرگز حرام یا معصیت بلکہ اقسام خمسہ سے کچھ نہیں ہوسکتا، تکلیف افعال اختیاریہ میں ہوتی ہے اور فعل اختیاری کو قصد لازم تو جو بلا قصد ہے، مقسم ہی سے خارج ہے اس کا حرام و معصیت ہونا ہرگز متصور نہیں۔ ہاں! بنظر تشابہ صوری، محض بطور مجاز کبھی اطلاق آتا ہے جس کے معنی یہ کہ اگر اس فعل کا کوئی شخص قصد و ارادہ کرے تو اس کے حق میں حرام و معصیت ہوگا"۔ ملخصا

(رسالہ: انبیائے کرام گناہ سے پاک ہیں، ص: ۲۵)

اس تقدیر پر آیت کریمہ کا معنی یہ ہوا کہ آپ سے جو افعال پہلے اور بعد میں سہو ونسیان یا غفلت کے سبب واقع ہوئے، ہم نے اس پر آپ سے اس طرح عفو و درگزر

فرمائی کہ ملامت تک نہ فرمائی، بخلاف اوروں کے کہ اگر چہ سہو وغفلت کی وجہ سے ان سے بھی مواخذہ تو نہ ہوگا مگر ملامت ضرور ہوگی مگر آپ کی وہ شان ہے کہ ہم نے آپ کی ملامت سے بھی عفو فرمایا۔

چناں چہ امام زرقانی فرماتے ہیں:

"لعل المراد بغفران الثلاثة مع أن اٰحاد الأمة لا يؤاخذ بها، عدم المؤاخذة باللّوم على سبب الغفلة والسهو بخلاف غيره فمؤاخذ بذلك". ملخصا. (زرقانی علی المواہب: ۲۶۱/۶)

یعنی حضور سے ان تینوں اسباب پر وعدۂ مغفرت فرمایا گیا حالاں کہ افرادِ امت سے بھی ان اسباب پر مؤاخذہ نہ ہوگا، شاید مراد یہ ہو کہ حضور سے سہو وغفلت کی وجہ سے ملامت بھی نہ ہوگی۔اس کے برخلاف دیگر افراد پر ملامت فرمائی جائے گی۔

ششم: ﴿امت کے گناہ﴾

ایک جماعت ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ آیت فتح میں "ذنبک" سے مراد سرکارِ دو عالم ﷺ کی امت کے گناہ ہیں اور یہی موقف سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اختیار فرمایا۔اور "ذنب" کی نسبت بجاے امتی کی طرف کرنے کے سرکار کی طرف اس لیے کی گئی کہ نسبت کے لیے ادنیٰ تعلق کافی ہے، مثلاً ایک شخص کسی کرائے کے مکان میں رہتا ہے یا بطور عاریت کسی مکان میں بود و باش کرتا ہے تو اس سے ملنے کے لیے آنے والا شخص کہے گا کہ میں فلاں کے گھر گیا تھا حالاں کہ وہ گھر درحقیقت مکان کے مالک کا ہے، کرایہ دار یا عاریت پر رہنے والے کا نہیں مگر چوں کہ اس وقت اس

مکان کو کرایہ دار یا مستعیر سے تعلق قائم ہے، اس لیے مکان کی نسبت ان کی طرف کی گئی اور ایسی نسبتیں عرف میں بکثرت استعمال ہوتی ہیں۔ اسی طرح امتی کو بھی عموماً اور اہل بیت اطہار کو خصوصاً حضور سے تعلق ہے اور ایسے ہی حضور کے آبا و اجداد و جدات و امہات جتنے بھی ہیں اوپر تک، سب حضور سے خصوصی نسبت اور علاقہ رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن حضور ان سب کے لیے شفیع ہوں گے، دنیا میں امتیوں کو جن چیزوں سے غم لاحق ہوتا ہے، حضور پہلے اس پر غمگین ہوتے ہیں، ولہذا امتیوں کے ذنب کی نسبت حضور کی طرف کی کر دی گئی۔

چناں چہ شفا اور مواہب میں ہے:

"قيل المراد بذلك أمته" . (شفا:۲/۱۵۷، مواہب:۳/۲۴۵)

یعنی ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد حضور کی امت ہے۔

نسیم الریاض میں ہے:

"فإضافة الذنب له ﷺ لأدنىٰ ملابسة لأنه يسوءه ما يسوء هم وهو الشفيع لهم .اھ. (نسیم الریاض:۴/۱۷۵)

یعنی اس تقدیر پر ذنب کی نسبت حضور ﷺ کی طرف ادنیٰ تعلق کی وجہ سے کی گئی ہے کیوں کہ جن چیزوں سے امتی کو غم لاحق ہوتا ہے، اس سے حضور بھی متأثر ہوتے ہیں نیز ان کی شفاعت حضور پر مقصور و محدود ہے۔

مدارج النبوۃ میں ہے:

''جماعت برآں رفتہ اند و خوش رفتہ اند کہ مراد ذنوب امت است'' .اھ.

(مدارج النبوۃ، حصہ اول، ص: ۸۶)

یعنی ایک گروہ کا موقف یہ ہے کہ مراد امتی کے گناہ ہیں اور یہ بہت عمدہ مذہب ہے۔
اور سیدنا اعلیٰ حضرت، حضور کی طرف لفظ ''ذنب'' کی نسبت کے بارے میں تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''ہر ادنی طالب علم جانتا ہے کہ اضافت کے لیے ادنی ملابست بس ہے بلکہ یہ عام طور پر فارسی، اردو، ہندی سب زبانوں میں رائج ہے، مکان کو جس طرح اس کے مالک کی طرف نسبت کریں گے یونہی کرایہ دار کی طرف، یوں ہی جو عاریت لے کر بس رہا ہے اس کے پاس جو ملنے آئے گا یہی کہے گا کہ ہم فلانے کے گھر گئے تھے، بلکہ پیمائش کرنے والے جن کھیتوں کو ناپ رہے ہوں، ایک دوسرے سے پوچھے گا: تمھارا کے جرِیب ہوا؟ یہاں نہ ملک، نہ اجارہ نہ عاریت اور اضافت موجود''۔

(فتاوی رضویہ: ۲۹/ ۴۰۱، مطبوعہ جدید)

لہذا اس تقدیر پر آیت کا مفہوم اور مراد کیا ہوگا ——— یہ بھی سیدنا اعلیٰ حضرت ہی کی زبانی سنیں، فرماتے ہیں:

''سورۂ فتح میں لامِ " لك " تعلیل کا ہے اور " ما تقدم من ذنبك " تمہارے اگلوں کے گناہ اعنی سیدنا عبد اللہ وسیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منتہائے نسب کریم تک تمام آبائے کرام وامہات طیبات باستثنائے انبیائے کرام مثل آدم وشیث ونوح وخلیل واسماعیل علیہم الصلاۃ والسلام اور " ما تاخر " تمہارے پچھلے یعنی قیامت تک تمہارے اہل بیت وامت مرحومہ۔ تو حاصل آیت کریمہ یہ ہوا کہ ہم نے تمہارے لیے فتح مبین

فرمائی تا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سبب سے بخشش دے تمہارے علاقہ کے سب اگلوں پچھلوں کا گناہ‘‘۔ (فتاوی رضویہ: ۴۰۱/۲۹) واللہ تعالیٰ اعلم

﴿حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت جز وایمان ہے﴾

سوال: ۷ زید کا یہ کہنا ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والا جنتی ہے، بس صرف شرک نہیں ہونا چاہیے۔

الجواب: جس طرح مومن ہونے کے لیے شرک سے دور رہنا ضروری ہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے عقائد خبیثہ پر اعتقاد نہ رکھے جو اسے کفر تک پہنچا دے کہ جنت میں صرف مومن داخل ہوگا خواہ اللہ کی رحمت سے ابتداء ہی یا بعد میں اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد، بہر حال جنت میں صرف مومن داخل ہوگا اور ایمان نام ہے ضروریات دین کی تصدیق کا۔ تو مومن ہونے کے لیے تمام ضروریات دین پر ایمان لانا ضروری ہے، اگر ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے، کافر ہو جائے گا خواہ اور ساری باتوں کو ماننے کا دعوی کرے مثلاً کسی نبی کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی کرے، فوراً کافر ہو جائے گا اگر چہ دوسری تمام ضروری باتوں کو تسلیم کرے اگر چہ زندگی بھر شرک نہ کرے اور اگر معاذ اللہ اسی حالت پر اس کا خاتمہ ہو گیا تو ہمیشہ کے لیے جہنم میں چلا گیا، لہذا یہ کہنا کہ ’’لا الٰہ الا اللہ کہنے والا جنتی ہے، صرف شرک نہیں ہونا چاہیے‘‘ درست نہیں۔

ہاں! یہ مذہب صرف وہابیہ کا ہے کہ پوری دنیا کے لوگوں کو مشرک کہتے ہیں تو ان کا ایمان نظر نہیں آتا ہے اور خود ہزار ہا گستاخیاں کیے جاؤ اور کہتے جاؤ کہ مؤحد ہیں،

مشرک نہیں۔

یہ جملہ اس وقت نظر نہیں آیا جب ابن عبدالوہاب اپنی مٹھی بھر جماعت کو چھوڑ کر پوری دنیا کے لوگوں کو کافر اور مشرک کہتا تھا، جب اسماعیل دہلوی نے پوری دنیا کے لوگوں کو مشرک بنا ڈالا کہ ''سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے مطابق ہوا''۔

اللہ تعالیٰ ان وہابیوں کے صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

تمام مفسرین نے آیت مبارکہ'' إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذٰلِكَ لِمَن يَشَآءُ'' (یعنی اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے) میں شرک سے مطلقا کفر مراد ہے اور یہی کتب عقائد میں لکھا ہوا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

﴿ائمۂ اربعہ کی تقلید کا وجوب اور احادیث سے استنباط احکام کی ممانعت﴾

سوال:۸ کسی امام کی تقلید جائز نہیں ہے جب کہ رسول کی تقلید کر رہے ہیں۔

الجواب: ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید حضور ﷺ ہی کی تقلید ہے کیوں کہ ان ائمہ عظام نے جو مسائل ہم تک پہنچائے کتاب وسنت ہی سے ماخوذ اور مستنبط ہیں، رہ گیا براہ راست احادیث طیبہ سے مسائل کا اخذ کرنا تو اس کا دروازہ صدیوں پہلے ہی بند ہو چکا ہے کیوں کہ قرآن وسنت سے اجتہاد احکام واخذ مسائل کے لیے جن علوم وفنون کی ضرورت ہے، وہ صدیوں سے کسی ذات واحد میں ناپید ہیں، ولہذا امت میں دوسری صدی ہجری کے بعد تقلید شخصی عام ہوگئی۔

چناں چہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"بعد المائتين ظهر فيهم التمذهب للمجتهدين بأعيانهم وقل من كان لا يعتمد على مذهب مجتهد بعينه وكان هذا هو الواجب فى ذلك الزمان". (الانصاف،ص:۲۹،۳۰)

یعنی دوصدی کے بعد امت میں تقلید شخصی ظاہر ہوئی اور کم ہی ایسے لوگ تھے جو کسی مجتہد معین کے مذہب پر اعتماد نہ رکھتے ہوں اور اس زمانے میں یہی واجب تھا۔

یہی شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"بالجملة، التمذهب للمجتهدين سر ألهمه الله تعالىٰ العلماء وجمعهم عليه من حيث يشعرون أولا يشعرون". (الانصاف:ص:۲۰)

یعنی حاصل کلام یہ کہ تقلید شخصی ایک ایسا راز ہے جو اللہ تعالیٰ نے علما کے دلوں میں القا فرمایا اور انھیں شعوری یا لاشعوری طور پر اس پر جمع فرمادیا۔

اور بعد کے دور میں تقلید، ائمہ اربعہ یعنی امام اعظم ابوحنیفۃ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذاہب میں منحصر ہوگئی بلکہ یہ اہل سنت و جماعت کی علامت ونشانی قرار دی گئی۔

چناں چہ علامہ سید احمد طحطاوی حاشیۂ درمختار میں فرماتے ہیں:

"هذه الطائفة الناجية قد اجتمعت اليوم فى مذاهب أربعة، وهم الحنفيون والمالكيون والشافعيون والحنبليون رحمهم الله تعالىٰ. ومن كان خارجا عن هذه الأربعة فى هذا الزمان فهو من أهل البدعة والنار". (کتاب الذبائح:۱۵۳/۴)

یعنی ناجی گروہ اس دور میں مذاہب اربعہ یعنی احناف، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ میں منحصر ہو چکا ہے اور آج جو ان چاروں سے خارج ہے وہ بدعتی اور جہنمی ہے۔

اس لیے غیر مقلدین جو ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتے ہیں، وہ سوچ لیں کہ کیا ہیں اور ان کا ٹھکانہ کہاں ہے؟

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی ''تفسیر مظہری'' میں فرماتے ہیں:

"فاِن أهل السنة قد افترق بعد القرون الثلاثة أو الأربعة على أربعة مذاهب ولم يبق مذهب فى فروع المسائل سوى هذه الأربعة، فقد انعقد الإجماع المركب على بطلان قول يخالف كلهم" .اھ. (تفسیر مظہری، زیر آیت "ولا يتخذ بعضنا بعضاً" الخ:۲/۶۷،۶۸)

یعنی اہل سنت و جماعت تیسری یا چوتھی صدی کے بعد چار مذاہب میں منقسم ہو گئے اور فروعی احکام و مسائل میں ان مذاہب اربعہ کے علاوہ کوئی مذہب نہ رہا، جس سے اس امر پر اجماع مرکب ہوا کہ ایسا قول جو ان چاروں ائمہ کے برخلاف ہو وہ باطل ہے۔

اور سیدنا امام رازی کتاب المحصول میں فرماتے ہیں:

"ان الأمة اذا اختلف فى مسألة على أقوال؛ كان اجماعهم على أن ما عداها باطل" .

پھر آگے فرماتے ہیں:

"المراد من الأمة، الأئمة الأربعة". اھ.

یعنی کہ امت کے جب کسی مسئلہ میں چند مختلف اقوال ہوں تو یہ اس پر اجماع ہے کہ ان کے سوا دیگر اقوال باطل ہیں، اور امت سے مراد ائمہ اربعہ ہیں۔

اور سیدنا علامہ زین الدین ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" مما لا ينفذ القضاء به ما إذا قضى بشيء مخالف للإجماع، وما خالف الأئمة الأربعة مخالف للإجماع، وإن كان فيه خلاف لغيرهم، فقد صرح في التحرير أن الإجماع انعقد على عدم العمل بمذهب مخالف للأربعة لانضباط مذاهبهم وانتشارها وكثرة أتباعهم" . (اشباہ ونظائر: ۱/۲۹۹، ۳۰۰)

یعنی قاضی اگر ایسے قول پر فیصلہ دے جو اجماع کے مخالف ہے تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا اور جو قول ائمہ اربعہ کے اقوال سے ہٹ کر ہے، وہ بھی خلاف اجماع ہی کہلائے گا خواہ اس میں دوسروں کا اختلاف ہو، کیوں کہ امام ابن الہمام نے "تحریر" میں صراحت فرمائی ہے کہ ائمہ اربعہ سے جدا کسی مذہب کے نا قابل عمل ہونے پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ ان کا مذہب منضبط ہے، ہر جگہ عام ہو چکا ہے نیز ان کے مقلدین پوری دنیا میں بکثرت پھیلے ہوئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ آج بغیر تقلید چارہ نہیں اور وہ بھی ائمہ اربعہ ہی کی تقلید واجب وضروری ہے، اول کی وجہ تو یہی ہے جو ابھی گزر چکی کہ قرآن وسنت سے براہ راست اخذ احکام کے لیے جن شرائط کی ضرورت ہے، وہ صدیوں سے مفقود ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امام سفیان بن عُیَینہ جو تابع تابعین، فقہائے مجتہدین اور اجلۂ ائمہ

محدثین سے ہیں کہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے استاذ اور امام بخاری وامام مسلم کے دادا استاذ ہیں، فرماتے ہیں:

"الحديث مضلة الا للفقهاء". (المدخل:۱/۱۲۲)

یعنی مجتہدین کے علاوہ اوروں کے لیے احادیث سے احکام اخذ کرنا گمراہی کا باعث ہے۔

اور شیخ الاسلام زکریا انصاری فرماتے ہیں:

"اياكم أن تبادروا الى الانكار على قول مجتهد أو تخطئة الَّا بعد اِحاطتكم بأدلة الشريعة كلها ومعرفتكم بجميع لغات العرب التى احتوت عليها الشريعة ومعرفتكم بمعانيها وطرقها".

یعنی خبردار! کسی مجتہد کے کسی قول پر انکار یا اسے خطا کی طرف نسبت نہ کرنا جب تک کہ شریعت مطہرہ کی تمام دلیلوں پر احاطہ نہ کرلو، جب تک تمام لغات عرب کو جن پر شریعت مشتمل ہے پہچان نہ لو، جب تک ان کے معانی اور ان کے راستے نہ جان لو۔

پھر آگے فرمایا:

"وأنّى لكم بذلك". (میزان الشریعۃ الکبریٰ:۱/۲۹)

یعنی بھلا تم کہاں اور کہاں یہ احاطہ۔

بتایئے! کہاں آج ایسا جامع اور نادرِ روزگار شخص موجود ہے مگر منکرین تقلید جنہیں صحیح طریقہ سے حدیث پڑھنا بھی نہیں آتی ہے، وہ ائمہ اربعہ پر اعتراض کرنے اور براہ راست احادیث سے مسائل کو نکالنے چلے ہیں۔

مثل مشہور ہے: ''یہ منہ اور مسور کی دال'' .

ملا فروخ مکی فرماتے ہیں:

"من لم يكن له قدرة؛ وجب عليه اتباع من أرشده الى ما كُلِّف به ممن هو من أهل النظر والاجتهاد والعدالة، وسقط عن العاجز تكليفه بالبحث والنظر لعجزه لقوله تعالىٰ: "لا يكلف اللّٰه نفسا الا وسعها" ولقوله عز وجل: "فسئلوا أهل الذكر ان كنتم لا تعلمون"، وهى الأصل فى اعتماد التقليد كما أشار اليه المحقق ابن الهمام".

(القول السدید، ص:۳۸)

یعنی جس میں اجتہاد واستنباط کی قدرت نہیں اس پر صاحبان نظر واجتہاد کی تقلید لازم ہے جو بحث ونظر کی راہوں میں جاکر اس کی رہنمائی کریں اور عامی سے بوجہ اس کے عجز کے بحث ونظر کی تکلیف اٹھالی گئی ہے، چناں چہ ارشاد الٰہی ہے کہ اللہ کسی جان کو مکلّف نہیں بناتا ہے مگر اس کی بساط بھر اور فرمان الٰہی ہے کہ علم والوں سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔ اور امام ابن الہمام نے فرمایا کہ باب تقلید میں یہی آیت اصل ہے۔

اور اجتہاد کے شرائط جو سطور بالا میں شیخ الاسلام زکریا انصاری کے حوالے سے اجمالاً مذکور ہوئے، اس کی تفصیل کامل اگر کسی کو دیکھنا ہو تو سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے رسالۂ مبارکہ ''الفضل الموہبی'' کا مطالعہ کرے۔

آخر میں اس بحث کو امام شعرانی کے اس قول پر ختم کرتا ہوں جو انہوں نے میزان میں فرمایا:

"بـه صـرح امـام الحرمين وابن السمعانى والغزالى والكيّاهرّاسى وغيـرهـم وقالوا لتلامذتهم: يجب عليكم التقليد بمذهب امامكم ولا عذر لكم عند اللّٰه تعالىٰ فى العدول عنه".

(میزان الشریعۃ الکبریٰ:۱/۵۳،۵۴)

یعنی اسی کی (تقلید شخصی کی) تصریح کی ہے امام الحرمین، ابن سمعانی، امام غزالی اور کیاہراسی وغیرہم ائمہ نے اور اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ تم پر واجب ہے خاص اپنے امام کے مذہب کا پابند رہنا۔ اگر ان کے مذہب سے عدول کیا تو خدا کے حضور تمہارے لیے کوئی عذر نہ ہوگا۔

اور مقدمۂ دوم یعنی ائمہ اربعہ ہی کی تقلید ضروری ہے، کسی اور کی نہیں تو اس کو شاہ ولی اللہ صاحب کے ایک اقتباس سے روشن کرتا ہوں، فرماتے ہیں:

"اعـلـم أن فـى الأخـذ بهذه المذاهب الأربعة مصلحة عظيمة وفى الإعـراض عـنهـا كـلهـا مـفسـدة كبيرة، ونحن نبين ذلك بوجوه: أحـدهـا أن الأمة اجتـمـعت على أن يعتمدوا على السلف فى معرفة الشـريـعة، فـالتـابـعون اعتـمـدوا فـى ذلك على الصحـابة، وتبع التـابعين اعتمدوا على التابعين، وهكذا فى كل طبقة اعتمد العلماء عـلـى من قبلهم، والعقل يدل على حسن ذلك لأن الشريعة لا تعرف إلا بـالنقل والاستنباط، والنقل لا يستقيم إلا بأن تأخذ كل طبقة عـمـن قبـلهـا بـالاتـصـال، ولا بد فى الاستنباط أن تعرف مذاهب

المتقدمين لئلا يخرج عن أقوالهم فيخرق الإجماع ويبنى عليها ويستعين فى ذلك كل بمن سبقه لأن جميع الصناعات كالصرف والنحو والطب والشعر والحدادة والنجارة والصياغة لم تتيسر لأحد إلا بملازمة أهلها، وغير ذلك نادر بعيد لم يقع وإن كان جائزا فى العقل. وإذا تعين الإعتماد على أقاويل السلف فلا بد من أن تكون أقوالهم التى يعتمد عليها مروية بالإسناد الصحيح أو مدونة فى كتب مشهورة وأن تكون مخدومة بأن يبين الراجح من محتملاتها ويخصص عمومها فى بعض المواضع ويقيد مطلقها فى بعض المواضع ويجمع المختلف منها ويبين علل أحكامها وإلّا لم يصح الاعتماد عليها. وليس مذهب فى هذه الأزمنة المتأخرة بهذه الصفة إلّا هذه المذاهب الأربعة" . (عقدالجید ،ص:۳۷)

یعنی جان لو کہ ان مذاہب اربعہ کی تقلید میں عظیم مصلحت ہے اور ان سے کلیتًا رو گردانی میں بڑا خسارہ ہے، ہم اس کی وجہ بیان کرتے ہیں۔اول یہ کہ امت شریعت کی معرفت میں اسلاف کو معتمد علیہ قرار دینے پر متفق ہے، چناں چہ تابعین نے اس بارے میں صحابہ پر اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا، اسی طرح ہر طبقے کے علما نے اپنے سے اگلوں پر اعتماد کیا اور اس طریقے کی عمدگی پر عقل بھی شاہد ہے کیوں کہ احکامِ شرع بغیر نقل یا استنباط کے معلوم نہیں ہو سکتے اور نقل درست نہ ہوگی تا وقتیکہ ہر طبقہ اگلوں سے تسلسل کے ساتھ روایت نہ کرے اور استنباط میں متقدمین کے مذاہب پر

آ گاہی رکھنا کہ ان کے اقوال سے خروج اور اجماع کا خرق لازم نہ آئے، پھر ان کے مذہب پر بنا رکھنا اور اس کے لیے اپنے سے اگلوں کا سہارا لینا ضروری ہے کیوں کہ علم و ہنر جتنے ہیں جیسے صرف، نحو، طب، شاعری، آہن گری، تجارت، رنگائی سب کے سب ان کے اہل کاروں اور ہنر رکھنے والوں کی صحبت اور خدمت میں رہنے ہی سے میسر ہوتے ہیں، اس کا خلاف شاذ و نادر اور بہت بعید ہے جواب تک واقع نہیں ہوا، اگرچہ عقلاً ممکن ہے۔ اور جب کہ سلف کے اقوال پر اعتماد طے شدہ امر ہے تو ضروری ہے کہ ان کے معتبر اقوال سند صحیح سے مروی ہوں، کتب متداولہ میں منقول ہوں، ان کے محتملات میں سے راجح کو مرجوح سے ممتاز کیا جائے، بعض مقامات پر عمومات کی تخصیص کی جائے، مختلف اقوال میں تطبیق دی جائے، احکام کے اسباب و علل بیان کیے جائیں ورنہ اعتماد و اعتبار درست نہ ہوگا، اور بعد کے دور میں بجز مذاہب اربعہ کے کوئی مذہب ان صفات کا جامع نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبــه

محمد مزمل البرکاتی المصباحی

خادم الافتاء بدار العلوم الغوث الأعظم، پور بندر، گجرات

۳/ جمادی الأولیٰ ۱٤٤٠ھ

۱۰/ جنوری ۲۰۱۹ء

فہرست فارغین عالمیت ۲۰۲۰ء

درجۂ سادسہ دارالعلوم غوث اعظم، پور بندر (گجرات)

(۱)	محمد عارف حسین	رام پور	(یوپی)
(۲)	محمد قاسم رضا	مرادآباد	(یوپی)
(۳)	توفیق علی	بنارس	(یوپی)
(۴)	شاکر رضا	کھمبالیا	(گجرات)
(۵)	عرفان محمود	راجوری	(کشمیر)
(۶)	محمد جمال مصطفیٰ	پیلی بھیت	(یوپی)
(۷)	محمد ذاکر حسین	کرنول	(یوپی)
(۸)	محمد جمال عبداللہ	جوناگڑھ	(گجرات)
(۹)	محمد ساحل رضا	رام پور	(یوپی)
(۱۰)	محمد معراج رضا	گونڈا	(یوپی)
(۱۱)	محمد تنویر رضا	نڑیاد	(گجرات)
(۱۲)	محمد سفیان	پربھاس پٹن	(گجرات)
(۱۳)	محمد غلام چشتی	پرنیہ	(بہار)